BUDC-132

Study Of Urdu Calssical Ghazal

کلاسیکی اردو غزل کا مطالعہ

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومنٹیز

''शिक्षा मानव को बन्धनों से मुक्त करती है और आज के युग में तो यह लोकतन्त्र की भावना का आधार भी है। जन्म तथा अन्य कारणों से उत्पन्न जाति एवं वर्गगत विषमताओं को दूर करते हुए मनुष्य को इन सबसे ऊपर उठाती है।''

– इन्दिरा गाँधी

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

''Education is a liberating force, and in our age it is also a democratising force, cutting across the barriers of caste and class, smoothing out inequalities imposed by birth and other circumstances.''

– Indira Gandhi

BUDC-132

کلاسیکی اردو غزل کا مطالعہ

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

بلاک 1
غزل کا فن، مقبولیت اور ارتقا 9

بلاک 2
درج ذیل شعراء کی غزل گوئی کی خصوصیات (حصہ اول) 59

بلاک 3
درج ذیل شعراء کی غزل گوئی کی خصوصیات (حصہ دوم) 127

EXPERT COMMITTEE

Professor Satyakam
Director, School of Humanities
IGNOU, New Delhi.

Professor Mohd. Shahid Husain
603/7, Shahjahanabad Apartments
Plot No. 1, Sector -11, Dwarka, New Delhi

Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim
Gul-e-Afraheim, Street No.4A, Near Sunny
P.C.O, By Pass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P.

Professor Wahajuddin Alvi
Department of Urdu, Jamia Millia Islamia
New Delhi.

Professor Shabnam Hameed
Department of Urdu, University of Allahabad,
Prayagraj, U.P.

Professor Diwan Hannan Khan
DEL, NCERT
New Delhi.

COURSE COORDINATOR

Professor Neera Singh
Director, School of Humanities
IGNOU, New Delhi.

Dr Abdul Hafiz
Consultant, Urdu, School of Humanities
IGNOU, New Delhi.

Editor: Dr. Abdul Hafiz, Consultant, Urdu, SOH, IGNOU, New Delhi

COURSE PREPARATION

Unit Writer	Units
Professor M. Mahfooz Khan Department of Urdu, Faculty of Humanities & Languages, JMI, New Delhi	1, 2 & 3
Dr. Khan Muhammad Asif Department of Indian Languages and Literature, School of Humanities,Gautam Buddha University, Noida, U.P.,	3
Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim, Gul- e-Afraheim, Street No.4A, Near Sunny P.C.O, By Pass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P	4
Professor Mohd. Shahid Husain Shahjahanabad Apartments, Sector -11, Dwarka, New Delhi	5
Dr. Abdul Hafiz Consultant Urdu, School of Humanities, IGNOU, New Delhi,	6, 7 & 10
Dr. Shakeel Ahmad Khan Asst. Prof. Lahwar, Darbhanga, Bihar	8
Prof. Seema Sagheer Department of Urdu, Aligarh Muslim Univeristy, Aligarh.	9
Dr. Qudsia Nasir, Consultant, School of Humanities, IGNOU, New Delhi.	11

PRODUCTION

Mr. K.N. Mohanan Assistant Registrar (Pub.) MPDD, IGNOU, New Delhi	Mr C.N. Pandey Section Officer (Pub) MPDD, IGNOU, New Delhi	Mr. Bablu Lal Rewadia Section Officer (Pub) MPDD, IGNOU, New Delhi

December 2019

© Indira Gandhi National Open University, 2019

ISBN: 978-93-89668-63-6

All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the copyright holder.

Further information on the Indira Gandh National Open University courses may be obtained from the university's office at MaidanGarhi, New Delhi-110068 or the official website of IGNOU at www.ignou.ac.in
Printed and published by MPDD on behalf of theIndira Gandhi National Open University.

CRC Prepared by Tessa Media & Computers

Printed at : Raj Printers, A-9, Sector B-2, Tronica City, Loni (Gzb.)

کورس کا تعارف

فاصلاتی نظامِ تعلیم کے طالب علموں کے لئے کورس کو تیار کرتے ہوئے اس بات کا بطورِ خاص خیال رکھا گیا ہے کہ طلبہ کو کلاس روم میں موجودگی کا احساس ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اکائی کے اغراض و مقاصد بتائے گئے ہیں تا کہ ان کو اندازہ ہو سکے کہ اس اکائی کو پڑھنے کا مقصد کیا ہے۔ اس کے بعد طلبہ کو پورا سبق پڑھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہونے میں معاون ایک مختصر اور مربوط تعارف پیش کیا گیا ہے۔ سلیس اور آسان زبان میں لکھی گئی اکائی کے اصل مواد کو پڑھ لینے کے بعد ''آپ نے کیا سیکھا'' ہے کے تحت کچھ نمایاں اور خاص نِکات کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ طلبہ کو پوری اکائی اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائے۔ اس کے بعد ''اپنا امتحان خود لیجیے'' کے تحت کچھ مختصر سوالات قائم کئے گئے ہیں تا کہ طلبہ نے جو کچھ بھی ابھی تک پڑھا ہے۔ اسے کتنا سمجھا اور کس حد تک ذہن نشین کیا ہے، اس کا اندازہ لگایا جا سکے۔ طلبہ کے ذہن میں آئے جوابات کی تصدیق کے لئے مذکورہ سوالوں کے جوابات بھی دے دیئے گئے ہیں تا کہ ان سے مماثل آئندہ طویل سوالوں کے پُر اعتماد جواب دینے میں ان کو آسانی ہو سکے۔ طلبہ کی آسانی کے لئے ہر اکائی میں مشکل الفاظ کے معنی دیئے گئے ہیں۔ تمام اکائیوں کے آخر میں معاون کتابوں کی فہرست مع ضروری حوالوں کے دینے کا مقصد طلبہ کی تشنگی کی آبیاری ہے تا کہ وہ ان سے رجوع کر کے اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔

اس کورس کا مقصد طلبہ کو کلاسیکی اردو غزل سے متعلق معلومات فراہم کرنا اور اس سے دلچسپی پیدا کرنا ہے، 3 بلاک اور 11 اکائیوں پر مشتمل یہ کورس نہ صرف صنفِ غزل کی تعریف، خصوصیات، موضوعات اور مضامین سے متعارف کراتا ہے بلکہ اردو غزل کے آغاز و ارتقا سے بحث کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مقبولیت کے اسباب کی بھی نشاندہی کرتا ہے اس کے علاوہ اردو غزل کے نمائندہ شعراء کے کلام کے جملہ پہلوؤں کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

پہلا بلاک ''غزل کا فن، مقبولیت اور ارتقا'' سے متعلق ہے جس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

پہلی اکائی میں غزل کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس کی ہئیت، صنفی خصوصیات، موضوعات اور مضامین سے بحث کی گئی ہے، غزل کے فن پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے امتیازات بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔

دوسری اکائی میں اردو غزل کے عہد بہ عہد ارتقا سے بحث کی گئی ہے جس میں ہر عہد کے نمائندہ

شعراء کے حوالے سے اس دور کے غالب رجحان کو مدلل طور پر اجاگر کرنے کوشش کی گئی ہے۔

تیسری اکائی میں اردو غزل کی مقبولیت کے اسباب تلاش کئے گئے ہیں جس میں اس کی خصوصیات کا بطورِ خاص بار بار ذکر آیا ہے

چوتھی اکائی میں اردو غزل کا تہذیبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پس منظر بیان ہوا ہے۔ ولؔی کی دہلی آمد کے اثرات بیان ہوئے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ 1857 کا واقعہ صرف سیاسی اور اقتصادی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے گہرے اور دیرپا اثرات ہمارے شعر وادب پر بھی نمایاں طور پر پڑے۔ اردو غزل کے تصورات اور اسالیب میں تبدیلی آئی۔ صنائع وبدائع کی سحر آفرینی کا رجحان کمزور پڑا اور عشق وعاشقی کے چرچوں کی گونج بھی مدھم ہوئی۔

دوسرا بلاک، بلاک 2 اور بلاک 3 کلاسیکی اردو غزل کے نمائندہ شعراء کی غزل گوئی سے متعلق ہے مگر طوالت سے گریز کرتے ہوئے انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے میں 4 اکائیاں ہیں جس میں ولؔی دکنی، سراؔج اور نگ آبادی، میر تقی میؔر، خواجہ میر دردؔ اور خواجہ حیدر علی آتؔش کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچویں اکائی ولؔی دکنی اور سراؔج اورنگ آبادی کی غزل گوئی کی خصوصیات سے متعلق ہے جس میں ولؔی اور سراؔج کے مختصر حالاتِ زندگی، ان کے کلام کے محاسن اور خصوصیات سے واقفیت کرائی گئی ہے اس کے علاوہ ان کی دو، دو غزلوں کی تشریح بھی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی غزلوں کے موضوعات کیا ہیں اور ان کے برتنے کے طریقے کیا ہوتے ہیں۔

چھٹی اکائی میر تقی میؔر کی شاعری اور منتخب کلام کے تجزیئے سے متعلق ہے جس میں میؔر کا تعارف اور ان کی شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، اس کے علاوہ دو عام فہم اور مشہور غزلوں کی تشریح بھی پیش کی گئی ہے۔

ساتویں اکائی خواجہ میر دردؔ کی شاعری اور ان کی دو غزلوں کی تشریح پر محیط ہے جس میں دردؔ کا سوانحی خاکہ اور ان کے عہد کے سیاسی وسماجی ماحول کا بھی ذکر ہے، اس اکائی میں ان کے شعری محاسن کو بیان کرتے ہوئے ان کی غزلوں کے امتیازات کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ طالب علموں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

آٹھویں اکائی خواجہ حیدر علی آتؔش کی شخصیت اور شاعری سے متعلق ہے، اس میں آتؔش کے کلام کی قدر و قیمت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور معاصرین کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دو مشہور غزلوں کی تشریح پیش کی گئی ہے۔

تیسرا بلاک کلاسیکی اردو غزل کے نمائندہ شعراء کی غزل گوئی سے متعلق ہے اس میں 3 اکائیاں ہیں جس میں بہادر شاہ ظفؔر، مرزا اسداللہ خاں غالبؔ، اور حکیم مومن خاں مومنؔ کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔

نویں اکائی بہادر شاہ ظفؔر کے حالاتِ زندگی اور ان کی دو غزلوں کے تجزیئے پر محیط ہے۔ان کے عہد کے سیاسی ، سماجی اور ادبی ماحول کا بھی بھر پور ذکر ہے۔اس میں ان کے شعری محاسن کو بیان کرتے ہوئے ان کی غزلوں کے امتیازات کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے علاوہ ظفؔر کی دو غزلوں کی مفصل تشریح بھی اس اکائی کا حصہ ہے۔

دسویں اکائی اردو کے مشہور و معروف شاعر مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کے حالاتِ زندگی اور فکر و فن کا جائزہ لیتی ہے۔اس میں ان کی دو غزلوں کی تشریح بھی پیش کی گئی ہے جس کے مطالعے سے ان کے فکر و فن کی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اس میں سیاسی و ادبی پس منظر بیان کرتے ہوئے ان کے شعری محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ غالبؔ کی شاعری کا موضوع انسانی احساس و جذبات ہیں جسے انھوں نے مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے۔

اس بلاک کی آخری یعنی گیارہویں اکائی حکیم مومن خاں مومنؔ سے متعلق ہے اس میں مومنؔ کا سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے اور دو غزلوں کی تشریح کی گئی ہے۔اس اکائی میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی غزلوں کے موضوعات کیا ہیں اور ان کے برتنے کے طریقے کیا ہوتے ہیں۔جس سے ان کی شاعری کے محاسن پر بھر پور روشنی پڑتی ہے۔

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

BUDC-132
کلاسیکی اردو غزل کا مطالعہ

بلاک
1

غزل کا فن، مقبولیت اور ارتقا

بلاک 1 کا تعارف

اکائی1
غزل کی تعریف اور ہیئت 9

اکائی2
اردو غزل کا آغاز اور ارتقا 21

اکائی3
غزل کی مقبولیت کے اسباب 33

اکائی4
اردو غزل کا تہذیبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پس منظر 49

بلاک1 کا تعارف

پہلا بلاک ''غزل کا فن، مقبولیت اور ارتقا'' سے متعلق ہے جس میں کُل 4 اکائیاں ہیں۔

پہلی اکائی میں غزل کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس کی ہیئت، صنفی خصوصیات، موضوعات اور مضامین سے بحث کی گئی ہے۔ غزل کے فن پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے امتیازات بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔

دوسری اکائی میں اردو غزل کے عہد بہ عہد ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔ جس میں ہر عہد کے نمائندہ شعراء کے حوالے سے اس دور کے غالب رجحان کو مدلل طور پر اجاگر کرنے کوشش کی گئی ہے۔

تیسری اکائی میں اردو غزل کی مقبولیت کے اسباب تلاش کئے گئے ہیں جس میں اس کی خصوصیات کا بطورِ خاص بار بار ذکر آیا ہے۔

چوتھی اکائی میں اردو غزل کا تہذیبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پس منظر بیان ہوا ہے۔ ولؔی کی دہلی آمد کے اثرات بیان ہوئے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ 1857 کا واقعہ صرف سیاسی اور اقتصادی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے گہرے اور دیرپا اثرات ہمارے شعر و ادب پر بھی نمایاں طور پر پڑے۔ اردو غزل کے تصورات اور اسالیب میں تبدیلی آئی۔ صنائع و بدائع کی سحر آفرینی کا رجحان کمزور پڑا اور عشق و عاشقی کے چرچوں کی گونج بھی مدھم ہوئی۔

اکائی 1 غزل کی تعریف اور ہیئت

ساخت

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 غزل کا فن

1.3.1 غزل کی تعریف اور خارجی ہیئت

1.3.2 غزل کی صنفی خصوصیات

1.3.3 غزل کے موضوعات

1.3.4 غزل کے مضامین

1.4 آپ نے کیا سیکھا

1.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1.6 سوالات کے جوابات

1.7 فرہنگ

1.8 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- صنفِ غزل کی تعریف اور اس کی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔
- غزل کی خارجی ہیئت سے متعارف ہوں گے۔
- غزل کے موضوعات جان سکیں گے۔
- غزل میں بیان ہونے والے مضامین سے واقفیت حاصل کریں گے۔

1.2 تمہید

اردو شاعری کی تمام اصناف میں غزل سب سے مقبول صنف سخن ہے۔کلاسیکی عہد میں غزل کے ساتھ دیگر اصناف سخن مثلاً قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور رباعی وغیرہ کا بھی خاصا رواج رہا اور یہ اصناف اپنی مخصوص صفات کے لحاظ سے بلند مرتبے کی حامل سمجھی گئیں۔لیکن ان میں مرکزی حیثیت کم وبیش غزل ہی کو حاصل رہی۔ملحوظ رہے کہ قدیم عربی شعری روایت میں غزل کے ابتدائی نقوش تو ملتے ہیں، لیکن باقاعدہ ایک صنف کی حیثیت سے غزل نے فارسی شعری روایت میں اپنی خاص پہچان قائم کی۔چنانچہ اکثر قدیم شعری اصناف کی طرح غزل بھی اردو میں فارسی سے آئی۔

1.3 غزل کا فن

1.3.1 غزل کی تعریف اور خارجی ہیئت

غزل بنیادی طور پر عشقیہ شاعری کی صنف ہے۔یعنی اس میں زیادہ تر عشق و عاشقی سے متعلق باتیں بیان ہوتی ہیں۔اسی بنا پر قدیم زمانے میں غزل کی تعریف کرتے ہوئے ایک فارسی فقرہ ''حکایت باز ناں گفتن'' استعمال کیا جاتا رہا ہے، جس کے معنی ہیں ''عورتوں سے باتیں کرنا''۔لیکن یہ تعریف غزل کی صنف کی وسعت کو دیکھتے ہوئے بہت محدود اور نامکمل سمجھی جاتی ہے۔

غزل کی خارجی ہیئت سے مراد وہ ظاہری صورت ہے جس سے غزل پہچانی جاتی ہے۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اردو شاعری کی روایت میں جتنی بھی اصناف ہیں وہ سب کسی نہ کسی موضوع پر مسلسل اور مربوط اشعار پر مشتمل ہیں؛ جیسے قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ۔لیکن غزل ان تمام اصناف میں اس لحاظ سے سب سے منفرد اور ممتاز صنف ہے کہ اس میں کوئی شعر دوسرے شعر سے لازمی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔یعنی ہر شعر معنی و مفہوم کے اعتبار سے اپنے آپ میں بالکل مکمل اور خود مکتفی ہوتا ہے۔اسی لیے معنی کے لحاظ سے پوری غزل اکائی نہیں ہوتی بلکہ اس کا ہر شعر الگ سے اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی غزل میں کل پانچ اشعار ہیں تو عام طور سے ہر شعر کا موضوع بالکل مختلف ہوگا۔یعنی ایک شعر میں ہجر کا بیان ہے تو اس کے اگلے ہی شعر میں وصل کا بیان ہو سکتا ہے یا دنیا کی بے ثباتی کی بات بیان کی جا سکتی ہے۔صنف غزل کی یہ ایسی صفت ہے جو اسے تمام دیگر اصناف سے ممتاز کرتی ہے۔

جہاں تک اشعار کی تعداد کا تعلق ہے تو بنیادی طور پر غزل اختصار کی حامل صنف ہے۔یعنی اس میں اشعار کی کثرت سے گریز کیا جاتا ہے۔عام طور سے غزل میں کم سے کم پانچ اشعار کی پابندی کی جاتی ہے اور زیادہ سے سات یا نو یا گیارہ اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ بعض اوقات شعرا نے اس سے بھی زیادہ اشعار کی غزلیں کہی ہیں۔ایسی طویل غزلوں کو دوغزلہ اور سہ غزلہ بھی کہا جاتا ہے۔لیکن ایسی غزلیں تعداد میں بہت کم ہیں اور انھیں غزل کی عام ہیئت کے اعتبار سے مستثنیات کی حیثیت حاصل ہے۔

مطلع:

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔واضح رہے کہ 'مطلع' کے معنی ''طلوع ہونے یا نکلنے کی جگہ'' کے ہیں۔چونکہ غزل مطلع ہی سے شروع ہوتی ہے، اس لیے پہلے شعر کا مطلع کہلانا بہت مناسب اور بامعنی ہے۔خیال رہے کہ مطلع کے لیے یہ شرط بھی لازم ہے کہ اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو۔مثلاً میر تقی میرؔ کی گیارہ اشعار پر مشتمل مشہور غزل کا درج ذیل مطلع دیکھئے:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس مطلع کے پہلے مصرعے میں لفظ 'ہمارا' اور دوسرے مصرعے میں 'سارا' قافیے ہیں۔چونکہ شعر میں قافیہ کے بعد ردیف آتی ہے اور ردیف کے الفاظ اپنی اصل صورت میں دہرائے جاتے ہیں، اس لیے درج بالا مطلع میں

''جانے ہے'' کو ردیف کہا جائے گا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شعر میں قافیے کا ہونا تو لازمی ہے لیکن ردیف کا ہونا ضروری نہیں۔ یعنی قافیہ کے بغیر شعر نہیں ہوسکتا مگر ردیف کے بغیر شعر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایسی غزل جس میں ردیف نہیں ہوتی اسے ''غیر مردف'' کہا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اردو میں زیادہ تر غزلیں ردیف کے ساتھ کہی گئی ہیں، اور غیر مردف غزلوں کی تعداد بہت کم ہے۔

کسی غزل کے مطلعے میں جو الفاظ بطور قافیہ لائے جاتے ہیں انھیں کے ہم قافیہ الفاظ بعد کے دیگر تمام شعروں کے دوسرے مصرعوں میں آتے ہیں۔ یعنی مطلع کے دونوں مصرعے اور دیگر تمام اشعار کے صرف دوسرے مصرعے قافیہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر میرؔ کی مذکورہ بالا غزل میں مطلع کے بعد والے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں
جی کے زیاں کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانے ہے

چارہ گری بیماریِ دل کی رسم شہر حسن نہیں
ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے

عاشق تو مردہ ہے دیکھے سے جی اٹھتا ہے
یار کے آ جانے کو یکا یک عمر دوبارہ جانے ہے

درج بالا تینوں اشعار کے دوسرے مصرعوں پر غور کیجیے۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''وارا''، دوسرے شعر میں ''چارہ'' اور تیسرے شعر میں ''دوبارہ'' اس غزل کے مطلعے کے الفاظ ''ہمارا'' اور ''سارا'' کے ہم قافیہ ہیں۔

یہاں مختلف غزلوں کے کچھ اور مطلعے بطور مثال ملاحظہ ہوں:

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا (سوداؔ)

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا (میر دردؔ)

بند آتا ہے نظر، جاتے ہیں سو سو بار ہم
جانتے ہیں یار کے دروازے کو دیوار ہم (ناسخؔ)

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا (غالبؔ)

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (ذوقؔ)

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے
عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے (مومنؔ)

یہ بات تو آپ کو معلوم ہوگئی کہ غزل کی ابتدا مطلع سے ہوتی ہے اور بعد کے تمام اشعار کی صورت مطلع کی نہیں ہوتی یعنی ان اشعار کے صرف دوسرے مصرعوں میں قافیہ و ردیف کی پابندی ہوتی ہے۔ لیکن اساتذہ نے بعض اوقات غزل میں ایک سے زیادہ مطلعے بھی کہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد اپنے شاعرانہ کمال اور فنی مہارت کا اظہار کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ غزل میں دو مطلعوں کی مثال تو اکثر نظر آ جاتی ہے، اور کبھی کبھی تین تین اور چار چار مطلعوں کے ساتھ بھی غزلیں کہی گئی ہیں۔ ایک سے زیادہ مطلعوں کی صورت میں تمام مطلعے غزل کی ابتدا میں ایک ساتھ رکھے جاتے ہیں، اور انھیں مطلع ثانی، مطلع ثالث وغیرہ کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھئے:

تھا مستعار حسن سے اس کے، جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا
ہنگامہ گرم کن، جو دل نا صبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے، شور نشور تھا (میر تقی میرؔ)

لبریز اس کے ہاتھ میں ساغر شراب کا
بنتا ہے عکس، رخ سے کٹورا گلاب کا
وہ مست ناز اگر کرے نظارہ آب کا
لبریز ہو شراب سے شیشہ حباب کا
دیکھا جو دو پہر کو جلال آفتاب کا
آیا وہیں خیال کسی کے نقاب کا (ناسخؔ)

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا

بیاں کیا کیجیے بیداد کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا (غالبؔ)

حسنِ مطلع:

غزل میں مطلع کے بعد والے دوسرے شعر کو (جو مطلع ثانی نہ ہو) ''حسن مطلع'' کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ حسن مطلع کو ''زیب مطلع'' بھی کہتے ہیں۔ کچھ لوگ غزل کے مطلع ثانی کو حسن مطلع کہتے ہیں جو صریحاً غلط ہے۔ میر تقی میرؔ کی ایک غزل کے ابتدائی دو اشعار دیکھئے:

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا

لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منھ سب کا

جیسا کہ ظاہر ہے، ان میں پہلا شعر مطلع ہے اور دوسرا شعر حسنِ مطلع یا زیبِ مطلع کہلائے گا۔ غالبؔ کی ایک غزل سے حسن مطلع کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

شوق ہر رنگ رقیبِ سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پَر افشاں نکلا

ان دونوں اشعار میں دوسرے شعر کو حسنِ مطلع کہا جائے گا۔

مقطع:

غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہلاتا ہے۔ چونکہ ''مقطع'' کے معنی انتہا یا خاتمے کی جگہ کے ہیں، اسی لیے غزل کے آخری شعر کو مقطع کہا جاتا ہے۔ یعنی اس شعر سے غزل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مقطعے کی چند مثالیں دیکھیے:

کسو وقت پاتے نہیں گھر اسے
بہت میرؔ نے آپ کو گم کیا

ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع
مومنؔ خدا کو بھول گئے اضطراب میں

داغؔ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

قطعہ:

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ غزل میں ہر شعر معنی کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے اور کسی دوسرے شعر سے مربوط نہیں ہوتا۔ لیکن قدیم شعرا نے غزل میں بعض اوقات کسی بات کو ایک سے زیادہ اشعار میں مسلسل بیان کیا ہے۔ اس

طرح یہ اشعار معنی و مفہوم کے اعتبار سے باہم مربوط ہوتے ہیں۔ ان مربوط اشعار کو ''قطعہ'' کہا جاتا ہے۔ قطعہ میں کم سے کم دو اشعار کا ہونا لازمی ہے، اور زیادہ سے زیادہ تعداد کی قید نہیں۔ لیکن اکثر دو یا تین اشعار پر مشتمل قطعہ کہے گئے ہیں۔ غزل میں قطعہ کی شرط یہ بھی ہے کہ مطلع سے شروع نہیں ہوتا۔ چنانچہ اکثر قطعات غزل کے بیچ میں یا مقطع سے پہلے رکھے گئے ہیں۔ کبھی کبھی مقطع کو قطعہ کے آخری شعر کے طور پر لایا گیا ہے۔ قطعے کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا (میرؔ)

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے (غالبؔ)

جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، درج بالا میرؔ کے پہلے قطعے میں ایک پوری بات کو دو شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح غالبؔ کا درج بالا قطعہ ان کی مشہور غزل میں شامل ہے جس کا مطلع ہے۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

غالبؔ کا یہ قطعہ چار اشعار پر مشتمل ہے جس میں ایک ہی خیال کو پھیلا کر بیان کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کسی قطعہ میں شامل اشعار کو ''قطعہ بند اشعار'' بھی کہا جاتا ہے۔

1.3.2 غزل کی صنفی خصوصیات

چونکہ غزل میں کسی بات یا خیال کا بیان ایک شعر میں مکمل کرنے کی شرط ہوتی ہے، اور ایک شعر یعنی محض دو مصرعوں میں چند ہی الفاظ لائے جا سکتے ہیں، اس لیے لامحالہ بات کو اشاروں میں کہنا ضروری ہوتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ غزل کے شعر میں بات کو کھول کر اور طوالت کے ساتھ بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی

لیے غزل کی سب سے بنیادی صنفی خصوصیت اس کا رمزیہ اور اشاراتی طرز بیان سمجھا جاتا ہے۔اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جب بات کو اشاروں میں کہا جاتا ہے تو اس میں معنی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی بات کو واضح انداز میں براہ راست بیان کیا جائے تو اس کے معنی عام طور سے مکمل اور محدود ہوتے ہیں،لیکن بات کو اگر نامکمل چھوڑ دیا جائے اور صرف اشاروں میں کہا جائے تو اس صورت میں ایک ہی بات کے ایک سے زیادہ معنی نکلنے کے امکان رہتے ہیں۔یہ بات اس حقیقت کی روشنی میں اور بھی اہم ہو جاتی ہے کہ شاعری نثر کے مقابلے میں کم سے کم الفاظ کا تقاضا کرتی ہے۔اس طرح شاعری اپنی فطرت کے لحاظ سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی کی حامل ہوتی ہے۔

غزل میں اشاریت کی صفت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس میں براہ راست بیان کی جگہ عام طور سے بالواسطہ بیان کو اختیار کیا جاتا ہے۔اس سے شعر میں وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو ہمارے فکر و احساس کو تاثیر سے مملو اور تازگی کی حامل صورت حال سے ہمکنار کرتی ہے۔

کلاسیکی غزل کی ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ اس میں کسی مخصوص واقعے یا کسی خاص صورت حال کا بیان نہیں ہوتا۔اس میں عام طور سے کسی بات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بات کسی عام کیفیت یا کسی عمومی انسانی تجربے کا اظہار بن جاتی ہے۔یہی سبب ہے کہ مختلف موقعوں پر اور الگ الگ صورت حال میں غزل کے اشعار ہمارے فکر و احساس کی نہایت مکمل اور بامعنی ترجمانی کرتے ہیں۔

غزل کی ایک صنفی خصوصیت اس کا ایجاز و اختصار بھی ہے۔یہاں ایجاز سے مراد یہ ہے کہ غزل کے شعر میں بڑی سے بڑی بات اور نہایت وسیع خیال کو چند لفظوں میں پوری معنویت اور تاثیر کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ غزل بنیادی طور پر عشقیہ شاعری ہے،اس لیے عشق سے متعلق خیالات و افکار کو بھی غزل کی صنفی خصوصیت میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

غزل کی صنفی خصوصیات کے مختلف پہلوؤں کو درج ذیل اشعار کی روشنی میں اور اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے:

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

شب ہجر صحرائے ظلمات نکلی
میں نے جب آنکھ کھولی بہت رات نکلی

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

1.3.3 غزل کے موضوعات

جیسا کہ آپ نے دیکھا، اپنی خارجی ہیئت کے لحاظ سے غزل دیگر اصناف کے مقابلے میں محدود صنف ہے۔ لیکن جہاں تک اس میں بیان ہونے والے موضوعات کا تعلق ہے تو غزل کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ غزل بنیادی طور پر عشقیہ شاعری ہے، اس لیے غزل کا سب سے حاوی موضوع تو عشق ہی ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ فارسی اور اردو میں کئی سو سال کے عرصے میں کہی ہوئی غزلوں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں سب سے زیادہ تعداد ان اشعار کی ملے گی جن کا تعلق حسن و عشق سے متعلق باتوں سے ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ غزل کی صنف کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اس میں حیات و کائنات کے تعلق سے بے شمار ایسی باتوں کا بیان کیا جاتا رہا ہے جن کا کوئی تعلق عشق و محبت سے نہیں ہے۔ ان موضوعات میں اخلاقیات، حکمت و فلسفہ، دنیا کی بے ثباتی، زندگی و موت کی حقیقت، انسانی زندگی کے مختلف النوع پہلو وغیرہ سب کچھ داخل ہیں۔

جہاں تک غزل میں بیان ہونے والے عشق کے موضوع کا تعلق ہے تو قدیم زمانے سے اس کے دو پہلو رہے ہیں؛ عشق مجازی اور عشق حقیقی۔ عشق مجازی سے مراد وہ عشقیہ صورت حال ہے جس میں عاشق اور معشوق دونوں ہماری اسی دنیا کے کردار ہوتے ہیں۔ ان میں عاشق کا کردار مرد اور معشوق نسوانی کردار میں ہوتا ہے۔ لیکن غزل کے صنفی تقاضے کی رو سے معشوق کو ہمیشہ مذکر کے صیغے میں بیان کیا جاتا ہے۔

غزل میں عشق حقیقی سے وہ عشقیہ صورت مراد لی جاتی ہے جس میں انسان اپنے مالک حقیقی یعنی خدا سے اپنی محبت اور چاہت کا اظہار کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، انسان جب اپنے خالق و مالک سے گہرا تعلق خاطر قائم کرتا ہے تو یہی تعلق بڑھتے بڑھتے عشق و محبت کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ایسے انسان کے لیے خدا کی محبت ہی سب کچھ ہوتی ہے، اور وہ اسی میں اپنی زندگی کو ضم کر دیتا ہے۔ ہماری مشرقی تہذیب میں تصوف کے جو سلسلے رہے ہیں ان میں انسان اور خدا کے بیچ تعلق کی کم و بیش یہی کیفیت رہی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ غزل میں عشق حقیقی کا جو اظہار ہوا ہے اس کا بہت گہرا تعلق تصوف اور متصوفانہ افکار و خیالات سے ہے۔ ان موضوعات سے متعلق کچھ اشعار بطور مثال ملاحظہ کیجیے۔

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا، اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہوگیا

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

1.3.4 غزل کے مضامین

اردو فارسی کی شعری روایت میں مضمون سے مراد وہ بنیادی بات یا خیال ہوتا ہے جو شعر میں بیان کیا جاتا ہے۔یعنی کوئی شعر جس خیال کے بارے میں ہوتا ہے، اس خیال یا بات کو اس شعر کا مضمون کہتے ہیں۔ظاہر ہے، ہر شعر کسی نہ کسی خیال پر مبنی ہوتا ہے، لہٰذا ہر شعر کا کوئی نہ کوئی مضمون بھی ہوتا ہے۔یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ہماری روایت میں شعر میں خیال کے بیان کرنے کو مضمون بیان کرنا یا مضمون باندھنا کہا جاتا ہے۔اس کے لیے ''مضمون بندی'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

غزل میں کوئی بات یا خیال چونکہ ایک ہی شعر میں مکمل کر کے بیان کیا جاتا ہے، اس لیے جتنے شعر ہوتے ہیں گویا اتنے خیال یا مضمون بیان ہوتے ہیں۔اب سوال اٹھتا ہے کہ یہ مضامین کیا ہیں، اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ غزل کی دنیا میں بے شمار خیالات ایسے ہیں جو مضامین کی صورت میں زمانۂ قدیم سے شعروں میں بندھتے چلے آرہے ہیں۔ان مضامین کی حیثیت بڑی حد تک ایسے رسمیاتی اصول کی ہے جس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔

غزل میں عشقیہ مضامین کا معاملہ بھی کم وبیش اسی اصول سے وابستہ ہے۔مثلاً عاشق اور معشوق کے کردار سے متعلق بہت سی باتیں جو غزل میں بیان ہوتی ہیں، ان کی اصل حیثیت ایسے مضامین کی ہے جن میں تبدیلی نہیں ہوتی۔عاشق کو مظلوم، ناکام، شکست خوردہ، ناتواں اور وفا شعار وغیرہ کہا جاتا ہے، اور اس کے برخلاف معشوق کو ظالم، بے وفا، بے مروت وغیرہ بیان کیا جاتا ہے۔اس طرح عاشق اور معشوق کے بارے میں یہ باتیں غزل میں مضمون کی حیثیت سے بیان ہوتی ہیں۔انھیں کے ساتھ غزل کی عشقیہ دنیا میں اور بھی کردار ہیں جو رقیب، ناصح، واعظ اور محتسب وغیرہ کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔واضح رہے کہ ان کرداروں کی بھی مخصوص صفات ہیں جو مضمون کی صورت میں بیان ہوتی ہیں۔مثلاً رقیب کا کردار ہمیشہ عاشق کے حریف اور معشوق سے قربت رکھنے والے کی صورت میں بیان ہوتا ہے۔اسی لیے اس کا بیان عام طور سے منفی کردار کی صورت میں ہوتا ہے۔

غزل کے عشقیہ مضامین کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہماری دنیا کی کچھ اشیا کو عاشق ومعشوق کے کردار کی صورت میں دیکھا گیا ہے، مثلاً گل وبلبل، شمع وپروانہ، سرو وقمری، ماہ وکتاں وغیرہ۔ظاہر ہے، ان چیزوں کا بیان تہذیبی تصور کی رو سے بطور مضمون ہی کیا جاتا ہے۔

عشقیہ مضامین کے علاوہ بھی غزل میں بہت سی ایسی باتیں بیان ہوتی ہیں جن کا تعلق ہمارے تہذیبی تصورات سے ہے۔یہ باتیں بھی غزل میں بطور مضامین لائی جاتی ہیں، جیسے آسمان کا ظالم ہونا، دنیا کا بے ثبات ہونا، زندگی کا ناپائیدار ہونا، عمر کا بے وفا ہونا وغیرہ۔یہ باتیں اشعار میں مضمون کی صورت میں بیان ہوتی ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ غزل کی دنیا میں عشقیہ اور غیر عشقیہ مضامین کی اتنی کثیر تعداد ہے کہ ان کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔تاہم یہاں جن باتوں کا ذکر کیا گیا، ان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غزل میں مضامین کی حیثیت بہت بنیادی ہے۔ان مضامین کو شعرا اپنے اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں اور ان میں نئے نئے پہلو پیدا کر کے اپنی شاعرانہ مہارت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

1.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے

- غزل کی تعریف سے واقفیت حاصل کی۔
- غزل کی خارجی ہیئت کو سمجھا۔
- غزل کی صنفی خصوصیات سے واقف ہوئے
- غزل کے موضوعات کے تعلق سے آگاہی حاصل کی۔
- غزل کے مضامین کے بارے میں بنیادی باتوں سے متعارف ہوئے۔

1.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1 غزل کے معنی بتائیے؟
2 مطلع کسے کہتے ہیں، مثال کے ساتھ لکھیے؟
3 حسنِ مطلع سے کیا مراد ہے، مثال کے ساتھ لکھیے؟
4 مقطع کسے کہتے ہیں، مثال کے ساتھ لکھیے؟
5 غزل کے عناصر ترکیبی کیا ہیں؟

6 تشبیہ کسے کہتے ہیں، مثال کے ساتھ لکھیے؟

7 استعارے کی تعریف مثال کے ساتھ لکھیے؟

8 تلمیح کسے کہتے ہیں، مثال کے ساتھ لکھیے؟

1.6 سوالات کے جوابات

1 غزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عورت یا محبوب سے باتیں کرنا۔

2 غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ 'مطلع' کے معنی ''طلوع ہونے یا نکلنے کی جگہ'' کے ہیں۔ چونکہ غزل مطلع ہی سے شروع ہوتی ہے، اس لیے پہلے شعر کا مطلع کہلانا بہت مناسب اور بامعنی ہے۔ خیال رہے کہ مطلع کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو۔ مثال کے لئے میر تقی میرؔ کی غزل کا مطلع پیش ہے:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

3 غزل میں مطلع کے بعد والے دوسرے شعر کو (جو مطلع ثانی نہ ہو) ''حسن مطلع'' کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ حسن مطلع کو ''زیب مطلع'' بھی کہتے ہیں۔ کچھ لوگ غزل کے مطلع ثانی کو حسن مطلع کہتے ہیں جو صریحاً غلط ہے۔ میر تقی میر کی ایک غزل کے ابتدائی دو اشعار دیکھئے:

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا

لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منھ سب کا

جیسا کہ ظاہر ہے، ان میں پہلا شعر مطلع ہے اور دوسرا شعر حسنِ مطلع یا زیب مطلع کہلائے گا۔

4 غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، مقطع کہلاتا ہے۔ چونکہ ''مقطع'' کے معنی انتہا یا خاتمے کی جگہ کے ہیں اسی لیے غزل کے آخری شعر کو مقطع کہا جاتا ہے۔ یعنی اس شعر سے غزل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مقطعے کی مثالیں دیکھئے:

ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

5 مطلع، حسنِ مطلع، قافیہ، ردیف، تعداد اشعار، مقطع غزل کے عناصر ترکیبی ہیں۔

6 کسی چیز کے بارے میں کسی دوسری چیز کے ذریعے مثال دینا یا مشابہت تلاش کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

7 استعارے کے معنی ''مستعار'' لینے یا مانگ لینے کے ہیں یعنی اس میں کسی کی صفت کو مستعار لیا جاتا ہے اصطلاحی الفاظ میں کہا جائے گا کہ استعارے میں مشابہت کے بجائے مشبہ کو خود ہی مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے اور انھیں مستعار لہ اور مستعار منہ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً

ہیں یاد وہ بے مثال آنکھیں
کیا ہیں وہ تری غزال آنکھیں

8 کسی مشہور واقعہ، شخص یا کردار کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ جیسے

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

1.7 فرہنگ

صنف : قسم، جنس، نوع
سخن : شعر، بات، کلام
عناصر : عنصر کی جمع، اصل چیز یا اصل اجزاء
مشبہ : وہ چیز جسے کسی دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے
مشبہ بہ : وہ چیز جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے
اصطلاح : عام معنی کے علاہ کوئی اور معنی
ہیئت : شکل (فارم)
ناقد : تنقید کرنے والا
رمز : اشارہ، آنکھوں کا اشارہ
ابہام : مبہم، جس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں

1.8 کتب برائے مطالعہ

1 اردو غزل — ڈاکٹر کامل قریشی
2 اردو غزل — یوسف حسین خاں
3 غزل اور مطالعہ غزل — عبادت بریلوی
4 غزل اور متغزلین — ابواللیث صدیقی
5 درسِ بلاغت — ترقی اردو بورڈ

اکائی 2 اردوغزل کا آغاز اور ارتقا

ساخت

2.1 اغراض ومقاصد

2.2 تمہید

2.3 اردو میں غزل گوئی کی ابتدا

2.4 دکن میں اردو غزل

2.5 شمالی ہند میں اردو غزل

2.5.1 دہلی میں اردو غزل

2.5.2 لکھنؤ میں اردو غزل

2.6 ترقی پسند تحریک اور اردو غزل

2.7 جدیدیت اور اردو غزل

2.8 آپ نے کیا سیکھا

2.9 اپنا امتحان خود لیجیے

2.10 سوالوں کے جوابات

2.11 فرہنگ

2.12 کتب برائے مطالعہ

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- اردو غزل کے آغاز کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔
- دکن میں اردو غزل کی ابتدائی صورت سے واقف ہوں گے۔
- شمالی ہند میں اردو غزل کے ارتقا کے بارے میں واقف ہوں گے۔
- دہلی اور لکھنؤ میں اردو غزل کی صورت حال جان سکیں گے۔
- ترقی پسند تحریک کے عہد میں اردو غزل کی صورت حال سے واقف ہوں گے۔
- اردو غزل پر جدیدیت کے اثرات سے واقفیت حاصل کریں گے۔

2.2 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ نے غزل کی صنف کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کیں۔غزل کی ہیئت، موضوعات اور اس کے مضامین کے تعلق سے آپ جن باتوں سے واقف ہوئے، انھیں پر صنف غزل کی بنیاد قائم

ہے، اور انھیں خصوصیات کی بنا پر غزل دیگر اصناف سے بالکل منفرد اور ممتاز قرار پاتی ہے۔

اس اکائی میں آپ کو اردو غزل کی ابتدا کے بارے میں بتایا جائے گا۔ اسی کے ساتھ اردو میں غزل نے عہد بہ عہد جس طرح ترقی کی اور اعلیٰ درجے کے شعرا نے اس صنف کو جو اعتبار بخشا، اس سے آپ واقفیت حاصل کریں گے۔

سترہویں صدی کے اواخر میں ولی دکنی کی غزل نے اردو میں غزل گوئی کی راہ ہموار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ پھر اٹھارہویں صدی میں شمالی ہند میں اردو غزل نے ارتقا کی جو منزلیں طے کیں اس سے اس عہد کو اردو شاعری کا زریں دور کہا گیا۔ اس کے بعد انیسویں صدی میں دہلی اور لکھنؤ میں اردو شاعری بالخصوص اردو غزل کو ایسے باکمال شعرا میسر آئے کہ یہ صنف مزید بلندیوں سے آشنا ہوئی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں اردو شعر و ادب میں نئے تصورات کی آمد ہوئی اور نظم کی صنف کو فروغ حاصل ہوا لیکن اردو غزل پھر بھی اپنی جگہ قائم رہی اور نئے شعرا اس صنف میں اپنے کمالات کا اظہار کرتے رہے۔ بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک کے زمانے میں بھی شعرا نے اردو غزل گوئی سے خود کو وابستہ رکھا اور ترقی پسند غزل کے میدان میں نئے نئے خیالات سے اس صنف کو تازگی عطا کرتے رہے۔ ترقی پسند تحریک کے بعد جدیدیت کے رجحان نے اردو غزل کو نئی شکل و صورت سے آشنا کیا۔ اس طرح جدید غزل وجود میں آئی۔ زمانۂ حال میں اردو شاعری کی دیگر اصناف میں سب سے مقبول اور ہر دل عزیز صنف کی حیثیت سے اردو غزل کا سفر جاری ہے۔

2.3 اردو میں غزل گوئی کی ابتدا

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، غزل کی صنف کی ابتدا فارسی میں ہوئی اور اردو میں غزل کے آغاز سے پہلے ایران میں فارسی غزل کی کئی سو سال کی روایت پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔ یہاں تک کہ سترہویں صدی سے پہلے اور اس کے بعد بھی طویل عرصے تک ہندوستان میں فارسی شاعری بالخصوص فارسی غزل کا رجحان قائم تھا۔ ہندوستان کے ان فارسی شعرا میں امیر خسرو (۱۲۵۶۔۱۳۲۵) سب سے نمایاں حیثیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔

امیر خسرو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہندی/ ہندوی (اردو زبان کا قدیم نام) میں بھی شاعری کی، لیکن ان سے منسوب جو ہندوی کلام ملتا ہے اس کی شکل باقاعدہ غزل کی نہیں ہے۔ البتہ ایک غزل جو امیر خسرو سے منسوب کی جاتی ہے، اسے غزل کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ خسرو کی ہے۔ اس مشہور غزل کا مطلع حسب ذیل ہے:

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

اس زمانے تک شمالی ہند میں اس کے علاوہ اور کوئی مثال اردو غزل کی نہیں ملتی۔ اس کی بنیادی وجہ شاید یہی ہے کہ یہاں شاعری کے میدان میں فارسی شاعری کا ہی دور دورہ تھا۔ ہندوستان کے شعرا فارسی شعر گوئی کو ہی اپنے کمال فن کا اصل میدان سمجھتے تھے۔

2.4 دکن میں اردو غزل

دکن میں اردو شاعری کا جب رواج ہوا تو وہاں زیادہ تر مثنویاں لکھی گئیں۔ یہ مثنویاں اکثر صوفیا کی کہی ہوئی ہیں۔ لیکن ان دکنی شعرا میں غزل کی طرف بھی رجحان رہا۔ چنانچہ ان کے کلام میں جگہ جگہ غزل کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ ان شعرا میں فیروز شاہ بہمنی فیروزی، مشتاق اور لطفی کو دکنی غزل گوئی میں اس لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ انھیں دکن کے ابتدائی غزل گو کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ مشتاق کی غزل کے یہ اشعار بطور نمونہ دیکھئے:

تجھ دیکھتے دل تو گیا ہور جیوا پر بے کل کھڑی
دیکھے تو ہے جیو کے اپر نئیں دیکھے تو نئیں گل کھڑی

نین تجھ مد بھرے دیکھت نظر میانے اثر آوے
ادھر کے یاد کرنے میں زباں اوپر شکر آوے (مشتاق)

دکن میں بہمنی سلطنت کا دور اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کا رواج اچھی طرح پھیل گیا تھا۔ بہمنی دور کے بعد قطب شاہی اور عادل شاہی عہد میں اردو شاعری کا دائرہ مزید بڑھتا گیا۔ اب نہ صرف کئی والیان سلطنت نے اردو شاعری کے میدان میں قدم رکھا بلکہ انھوں نے شعرا کی غیر معمولی قدر دانی کی۔ ان میں محمد قلی قطب شاہ کا نام سب سے نمایاں ہے جو سلطنت گولکنڈہ کا حکمراں تھا۔ اس کے عہد میں نہایت اعلیٰ پائے کے بہت سے شعرا نے اردو شاعری کو فروغ بخشا۔ محمد قلی قطب شاہ خود صاحب دیوان شاعر تھا۔ اس نے کئی اصناف میں طبع آزمائی کی اور غزل میں اپنی مہارت فن کا بھرپور اظہار کیا۔ اس نے بہت سے بلند پایہ شعرا کی سرپرستی بھی کی جو اردو شاعری کی تاریخ کا بیش قیمت حصہ ہیں۔

اس عہد کے شعرا میں محمد قطب شاہ، ملا وجہی، احمد گجراتی، ابن نشاطی، غواصی وغیرہ نہایت بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ دکن میں اردو غزل کو مستحکم کرنے اور اس صنف میں ہندوستانی تہذیب وثقافت کے عناصر کو داخل کرنے میں ان شعرا کا اہم کردار ہے۔ چند اشعار بطور مثال ملاحظہ کیجیے:

پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج یک تل جیا جائے نا

قطب شہ نہ دے مج دوانے کوں پند
دوانے کوں کچھ پند دیا جائے نا (محمد قلی قطب شاہ)

باطن فقیر ہو کر ظاہر غنی رہا ہوں
لوگاں میں بارے جیوں تیوں گھر کا بھرم رکھیا ہوں

طاقت نہیں دوری کی اب توں بیگ آ مل رے پیا
تج بن منجے جیو نا بہوت ہوتا ہے مشکل رے پیا
(ملا وجہی)

گرم تیرے حسن کا بازار ایسا ہے جو آج
اس انگے دستا ہے مج جیوں سرد کافور آفتاب

اے صنم مج کو حقارت سوں نکو دیکھ کہ میں
ہوں وہ چیونٹی جو سلیمان کو مہمان کرو
(غواصی)

دکن کے غزل گویوں میں سب سے بلند مرتبہ ولی دکنی (۱۶۶۷۔۱۷۰۸) کو حاصل ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ شمالی ہند میں اردو غزل گوئی کی باقاعدہ راہ ہموار کرنے میں ولی نے بنیادی کردار کیا۔ ولی کا دیوان جب دہلی میں مقبول ہوا تو یہاں کے فارسی گویوں نے اردو غزل کی طرف خاص توجہ کی اور اس میدان میں اپنے فنی کمالات کا مظاہرہ کرنا شروع کیا۔

ولی نے اردو میں غزل کو ایسا طرز عطا کہ وہ فارسی غزل کی ہم پلہ ہوگئی۔ انھوں نے فارسی غزل کی روایت سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اردو غزل میں ایسے عناصر داخل کیے کہ یہ غزل اپنی منفرد شناخت کے ساتھ قائم ہوئی۔ پھر اسی غزل نے شمالی ہند والوں کے لیے نمونے کا کام کیا۔ ولی کے اشعار دیکھیے:

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنت سے بہار کیونکے جاوے

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سوں کہوں گا
جادو ہیں ترے نین غزالاں سوں کہوں گا

ولی کے بعد دکنی غزل گویوں میں سراج اورنگ آبادی کا نام سب سے اہم اور نمایاں ہے۔ سراج کی غزلوں میں فارسی غزل کے عناصر نہایت خوبی کے ساتھ ڈھالے گئے ہیں۔ لیکن مضامین میں انھوں نے جا بجا جدت سے بھی کام لیا ہے۔ فارسی کے مروج تشبیہ و استعارے کو سراج نے بڑی خوبی کے ساتھ برتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ترے دہن کی مسی سے مجھے ہوا معلوم
نماز شام کا ہے وقت اب نہایت تنگ

ڈورے نہیں ہیں سرخ تری چشم مست میں
شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

دان تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

2.5 شمالی ہند میں اردو غزل

2.5.1 دہلی میں اردو غزل

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ولؔی کے کلام کے زیر اثر دہلی میں اردو غزل گوئی کی طرف رجحان عام ہوا۔ دہلی کے شعرا نے ولؔی کے کلام کو دیکھ کر محسوس کیا کہ فارسی غزل کی طرح اردو میں بھی کامیاب اور اعلیٰ پائے کی غزل کہی جا سکتی ہے۔ چنانچہ یہاں کے شعرا نے اردو غزل گوئی نہ صرف اختیار کی بلکہ اس فن میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ بعد کے زمانے میں یہ شعرا اردو غزل کی روایت کے سب سے بڑے نمائندے قرار پائے۔

اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں شمالی ہند میں جو غزلیں کہی گئیں ان میں ایہام کو کثرت سے برتا گیا۔ یہی سبب ہے کہ یہ دور ایہام گوئی کے دور سے جانا جاتا ہے۔ ایہام گو شعرا میں شاہ مبارک آبروؔ، شاکر، ناجی، شرف الدین مضمون وغیرہ سب سے نمایاں ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تھا قول آبروؔ کا نہ جاؤں گا اس گلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا (آبروؔ)

روانی طبع کی دریاستی کچھ کم نہیں ناجی
بھریں پانی ہم ایسی جو کوئی لاوے غزل کہہ کے (شاکر ناجیؔ)

اسی عہد میں دہلی میں مرزا مظہر جان جاناں، شاہ حاتم، فائز، میر سجاد وغیرہ نے بھی اردو غزل کے دامن کو وسیع کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں دہلی میں اردو غزل کے سب سے بڑے شعرا میں میر تقی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ اور خواجہ میر دردؔ بہت نمایاں ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان شعرا کے حوالے سے یہ صدی جانی اور پہچانی جاتی ہے۔ ان میں بحیثیت شاعر میرؔ اور سوداؔ کو ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن عام خیال یہ ہے کہ سوداؔ کو قصیدے میں میرؔ پر فوقیت ہے جب کہ غزل اور مثنوی میں میرؔ کو سوداؔ پر برتری حاصل ہے۔ دردؔ نے صرف غزلیں کہیں، اور ان کی غزل گوئی اپنی مثال آپ ہے۔ میرؔ کو ان کی پوری شاعری بالخصوص غزل کی غیر

معمولی کیفیت کے سبب خدائے سخن بھی کہا گیا ہے۔ شمالی ہند میں دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے دیگر غزل گویوں میں میر حسن، مصحفی، قائم چاند پوری وغیرہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا (میرؔ)

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

سوداؔ جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اسے کس آن میں دیکھا (سوداؔ)

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا (دردؔ)

نہ جانے کون سی ساعت چمن سے بچھڑے تھے
کہ آنکھ بھر کے نہ پھر سوے گلستاں دیکھا (قائمؔ)

شب ہجر صحرائے ظلمات نکلی
میں جب آنکھ کھولی بہت رات نکلی (مصحفیؔ)

دہلی میں اردو غزل آگے کا سفر طے کرتے ہوئے انیسویں صدی میں پہنچتی ہے جہاں اسے بڑے باکمال شعرا میسر آتے ہیں۔ پچھلی صدی میں میرؔ اور سوداؔ وغیرہ نے غزل کو جس بلند مقام تک پہنچا دیا تھا، اس سے آگے لے جانے کا کام انیسویں صدی کے شعرا بالخصوص غالبؔ نے کیا۔ غالبؔ کا شمار اردو غزل کے چند بڑے شعرا میں ہوتا ہے۔ کچھ لوگ غالبؔ کو سب سے بڑا غزل گو سمجھتے ہیں، لیکن لوگوں کا خیال یہ بھی ہے میرؔ کا مرتبہ غالبؔ سے بلند تر ہے۔ لیکن اس میں کسی کو انکار نہیں کہ میرؔ اور غالبؔ کی عظمت مسلم ہے۔

غالبؔ نے اردو غزل کو بالکل نئے انداز سے روشناس کرایا۔ انھوں نے غزل میں نہایت گہرے خیالات کو اس طرح بیان کیا کہ یہ خیالات غالبؔ کی انفرادیت کی پہچان بن گئے۔ غالبؔ نے غزل میں ایک خاص طرز ''خیال بندی'' کو نہایت خوبی سے استعمال کیا اور اس طرز میں وہ سب سے بلند مرتبہ قرار پائے۔ نئی نئی فارسی تراکیب اور مشکل طرز بیان غالبؔ کی غزل کا امتیازی وصف ہے۔ غالبؔ کے ہم عصر شعرا میں ذوقؔ، مومنؔ، بہادر شاہ ظفرؔ اور شیفتہؔ وغیرہ کا شاعرانہ مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔ ان شعرا نے بھی اردو غزل کو نئے طرز و انداز سے تازگی بخشی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیب گلشن ناآفریدہ ہوں (غالبؔ)

حالت پہ مری کون تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھو کہ میں اف نہیں کرتا

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (ذوقؔ)

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

دشمن مومنؔ ہی رہے بت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا (مومنؔ)

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی (شیفتہؔ)

انیسویں صدی کے اواخر کے دہلوی غزل گویوں میں نواب مرزا داغؔ کا نام سب سے نمایاں ہے۔ داغؔ نے اردو غزل کو بالکل نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا۔ ان کی غزل کا سب سے امتیازی پہلو زبان و بیان کی برجستگی اور روانی کے ساتھ عشقیہ خیالات کا نہایت پراثر اظہار ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغؔ نام نہیں

2.5.2 لکھنؤ میں اردو غزل

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں دہلی کے کئی شعرا لکھنؤ کی طرف ہجرت کر کے آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ ان میں سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ، انشاؔ اور میر حسنؔ وغیرہ خاص ہیں۔ ان شعرا کی آمد سے فیض آباد اور پھر لکھنؤ میں اردو شاعری کا چرچا عام ہوا اور یہاں بھی نئے شعرا نے شعر گوئی کے میدان میں اپنے فنکارانہ کمال کے جوہر دکھانے شروع کیے۔ ان شعرا میں غزل گو کی حیثیت سے سب سے زیادہ شہرت شیخ امام بخش ناسخؔ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کو حاصل ہوئی۔ خیال رہے کہ اسی زمانے میں مصحفیؔ اور سید انشاؔ بھی لکھنؤ میں آ چکے تھے اور مصحفیؔ اور انشاؔ میں شاعرانہ چشمکوں کا سلسلہ بھی چل نکلا تھا۔ بہر حال ناسخؔ اور آتشؔ نے اردو غزل گوئی کے میدان میں اپنے کمال فن کا اس طرح لوہا منوایا کہ بہت سے شعرا ان اساتذہ سے وابستہ ہو کر ان کے شاگرد بنے۔ لکھنؤ کی سرزمین اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ یہاں ایک ہی وقت میں دہلی اور لکھنؤ کے شعرا کی دو تین نسلیں جمع ہو گئی تھیں مثلاً میر تقی میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، مصحفیؔ، انشاؔ اور ان کے ساتھ ناسخؔ، آتشؔ اور پھر ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد سب یہاں موجود تھے۔ اس طرح لکھنؤ اردو شاعری بالخصوص غزل کا ایسا علاقہ تھا جہاں بیک وقت مختلف انداز کے شعرا اپنی شعر گوئی سے اہل ذوق کو سیراب کر رہے تھے۔ ناسخؔ اور آتشؔ کے شاگردوں میں علی اوسط رشکؔ، اسیرؔ لکھنوی، خواجہ وزیرؔ، صباؔ، جلالؔ لکھنوی خاصے مشہور ہوئے اور مظفر علی اسیرؔ لکھنوی کے شاگردوں میں امیرؔ مینائی کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں:

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا (ناسخؔ)

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا (آتشؔ)

آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی
خیر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی (اسیرؔ)

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا (امیرؔ مینائی)

گم جب سے کیے ہوش تری جلوہ گری نے
کیا کیا نہ خبردار کیا بے خبری نے (جلالؔ لکھنوی)

2.6 ترقی پسند تحریک اور اردو غزل

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اردو شعر و ادب کو باقاعدہ کسی تحریک نے سب سے زیادہ متاثر کیا تو وہ ترقی پسند تحریک ہے جو ۱۹۳۶ کے زمانے میں شروع ہوئی۔ یہ بنیادی طور پر عوامی تحریک تھی جس کا مقصد عوام کی سماجی اور معاشی نابرابری کو ختم کرنے اور ان کی حالت کو بہتر بنانے کا تھا۔ سماج کے دبے کچلے لوگوں کو اس تحریک کے ذریعے منظر عام پر لانے کا کام کیا گیا۔ اس تحریک کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ شعر و ادب کو انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کا کام انجام دینا چاہیے۔ چنانچہ بہت سے شعرا و ادبا اس تحریک سے وابستہ ہوئے۔ ترقی پسند غزل گویوں میں فیض احمد فیضؔ، علی سردار جعفریؔ، مجروحؔ سلطان پوری، وامقؔ جون پوری وغیرہ خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

ترقی پسند تحریک کے زمانے میں ہی اس تحریک سے الگ کچھ شعرا اردو غزل گوئی کی دنیا میں اپنے فن کا لوہا منوا رہے تھے۔ ان میں سب سے اہم نام حسرتؔ موہانی، یگانہؔ چنگیزی، فراقؔ گورکھپوری، فانیؔ بدایونی، جگرؔ مرادآبادی وغیرہ کا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت فراق کو حاصل ہوئی۔

ان شعرا کے علاوہ اس عہد میں جو دیگر غزل گو اپنی منفرد شناخت کے ساتھ ہماری روایت کا حصہ ہیں، ان میں ناصر کاظمی، ابن انشاؔ اور خلیل الرحمٰن اعظمیؔ وغیرہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کچھ اشعار دیکھئے:

گلوں میں رنگ بھرے باد نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے (فیضؔ)

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترک محبت کا بھروسا بھی نہیں (فراقؔ)

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترک الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں (حسرتؔ موہانی)

2.7 جدیدیت اور اردو غزل

ترقی پسند تحریک کے زوال کے بعد اردو شعر و ادب کی دنیا میں جدیدیت کا رجحان پھیلنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ رجحان اس قدر مقبول ہوا کہ اردو شعر و ادب کی کم و بیش تمام اصناف اس سے متاثر ہوئیں۔ جدیدیت کے رجحان میں اس بات پر خاص طور سے زور دیا گیا کہ ادب اور شاعری کو مصنف کے ذاتی اظہار کا وسیلہ ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ جدید شعرا نے براہ راست بیان کے بجائے بالواسطہ بیان پر بہت زور دیا۔ زبان و بیان کی سطح پر نئے اور تازہ انداز کو اس رجحان میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ غزل گوئی کے میدان میں بھی

جدید شعرا نے انھیں باتوں کو پیش نظر رکھ کر طبع آزمائی کی۔ نئے نئے استعارے اور علامات کو جدید غزل میں خوب برتا گیا اور لفظیات کی سطح پر بھی تازگی پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو غزل بالکل نئے رنگ و آہنگ سے آشنا ہوئی۔ جدید غزل گویوں میں منیر نیازی، ظفر اقبال، احمد مشتاق، باقی، زیب غوری، محمد علوی، شہریار اور عادل منصوری وغیرہ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ کچھ اشعار دیکھئے:

یہ پانی خامشی سے بہہ رہا ہے
اسے دیکھیں کہ اس میں ڈوب جائیں (احمد مشتاق)

منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ (منیر نیازی)

خود کھلا غنچۂ لب اس کا ظفر
یہ شگوفہ نہیں چھوڑا میں نے (ظفر اقبال)

پیہم موج مکانی میں
اگلا پاؤں نئے پانی میں (باقی)

خموش بیٹھنا چاہوں تو دشت چھیڑتا ہے
یہاں بھی کوئی نکل آیا ہم سخن میرا (زیب غوری)

سیاہ رات نہیں لیتی نام ڈھلنے کا
یہی تو وقت ہے سورج ترے نکلنے کا (شہریار)

2.8 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے

- اردو غزل کے سرپرستوں کے متعلق جانکاری حاصل کی۔
- اردو غزل کے آغاز و ارتقا کا مطالعہ کیا۔
- دکن میں اردو غزل کے ارتقا کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
- شمالی ہند میں اردو غزل کے ارتقا کے بارے میں جانا۔
- دہلی اور لکھنو میں اردو غزل کی صورتِ حال سے واقف ہوئے۔
- اردو غزل پر ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کے اثرات سے واقف ہوئے۔

2.9 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ دکن کی ان دو ریاستوں کے نام بتائیے جہاں اردو غزل کو فروغ ملا۔

2۔ دکن کا پہلا صاحب دیوان شاعر کون تھا؟

3۔ شمالی ہند کے پانچ اہم غزل گو شاعر کے نام بتائیے؟

4۔ میر تقی میرؔ اور اسد اللہ خاں غالبؔ کے ایک ایک شعر لکھیے؟

5۔ امیر خسروؔ کے کلام کا ایک نمونہ پیش کیجیے؟

6۔ دو ترقی پسند شعرا کے ایک ایک شعر لکھیے ؟

7۔ دو مختلف جدید شعرا کے ایک ایک شعر لکھیے ؟

2.10 سوالوں کے جوابات

1۔ دکن میں بیجاپور اور گولکنڈہ میں اردو غزل کو فروغ ملا۔

2۔ دکن کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ تھا۔

3۔ شمالی ہند کے پانچ اہم شاعر ہیں:

میر تقی میرؔ، مرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ۔ اسد اللہ خاں غالبؔ، اور مومن خاں مومنؔ۔

4۔ میر تقی میرؔ کا شعر۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

اسد اللہ خاں غالبؔ کا شعر۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

5۔ امیر خسروؔ کا کلام۔

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

6۔ دو ترقی پسند شعرا کے اشعار۔

گلوں میں رنگ بھرے باد نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے (فیضؔ)

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترک محبت کا بھروسا بھی نہیں (فراقؔ)

7۔ دو جدید شعرا کے اشعار۔

سیاہ رات نہیں لیتی نام ڈھلنے کا
یہی تو وقت ہے سورج ترے نکلنے کا (شہریارؔ)

خموش بیٹھنا چاہوں تو دشت چھیڑتا ہے
یہاں بھی کوئی نکل آیا ہم سخن میرا (زیب غوری)

1.7 فرہنگ

تصوف ؛ تزکیہ نفس کا طریقہ
نظریہ ؛ اصول
نواح ؛ اردگرد کا علاقہ
دیگر ؛ دوسرا
ماخذ ؛ وہ جگہ جہاں سے کوئی چیز نکلی ہو
مولد ؛ وطن
رائج ؛ جاری، دستور کے موافق
عبور ؛ پار کرنا
مستعار ؛ مانگی ہوئی، عارضی:
واضح ؛ ظاہر، عیاں
الفت ؛ محبت

2.8 کتب برائے مطالعہ

1	اردو غزل	ڈاکٹر کامل قریشی
2	اردو غزل	یوسف حسین خاں
3	غزل اور مطالعہ غزل	عبادت بریلوی
4	غزل اور متغزلین	ابواللیث صدیقی
5	درسِ بلاغت	ترقی اردو بورڈ
6	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	سید احتشام حسین
7	معاصر اردو غزل	قمر رئیس
8	اردو ادب کی تاریخ (جلد اول)	جمیل جالبی

اکائی 3 غزل کی مقبولیت کے اسباب

ساخت

3.1 اغراض ومقاصد

3.2 تمہید

3.3 غزل کی مقبولیت کے اسباب

3.3.1 غزل عشقیہ شاعری ہے

3.3.2 غزل کی اشاریت اور ایمائیت

3.3.3 عمومی کیفیت کی ترجمانی

3.3.4 غزل میں غنایت اور نغمگی

3.3.5 مشاعرے کی روایت

3.3.6 استاد اور شاگردی کا سلسلہ

3.3.7 غزل میں معنی کی تہ داری

3.4 آپ نے کیا سیکھا

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

3.6 سوالوں کے جوابات

3.7 فرہنگ

3.8 کتب برائے مطالعہ

3.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی سے آپ

- غزل کی مقبولیت کے اسباب سے واقف ہوسکیں گے۔
- شاعری کی دیگر اصناف میں غزل ہی ایسی صنف ہے جس کا جادو آج بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ کیوں؟ اس کو جان سکیں گے۔
- غزل کے موضوعات کی وسعت اور اسلوب کے مختلف پیرایۂ اظہار کو جان سکیں گے۔
- سخن فہمی کی جمالیاتی اقدار اور تہذیبی تاریخ کی روح کو اپنے اندر اتار سکیں گے۔
- غزل سے انسانی مزاج کی ہم آہنگی اور ان کے انفرادی واجتماعی ذہانت وفطانت کو جان سکیں گے۔
- غزل محض حسن وعشق کی حسی ترجمان نہیں ہے، بلکہ اس میں حیات اور کائنات کے بارے میں بہت سی گہری باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔

3.2 تمہید

غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جس کا جادو شاعری کی دنیا میں آج بھی سر چڑھ کر بولتا ہے۔غزل کا اصل موضوع تو حسن وعشق ہے لیکن حیات وکائنات کی مختلف النوع کیفیات کو بھی اس میں نہایت خوبصورتی اور تاثیر کے ساتھ بیان کیا جاتا رہا ہے۔نوحۂ غم ہو یا نغمۂ شادی، انسانی زندگی کے ہر مسائل ومصائب کو غزل نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔

غزل کی خوبی اور اس کی مقبولیت کے سلسلے میں جو بات شدت سے محسوس کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس صنف میں ایجاز کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ شاعری کی کسی اور صنف میں نہیں ملتی۔غزل کا ایجاز ہی اس میں ایمائیت اور اشاریت کا ضامن ہوتا ہے۔چنانچہ غزل میں جو بات اشارے میں کہی جاتی ہے وہ اپنے اندر نہ صرف معنی کے امکانات رکھتی ہے بلکہ اس میں لطف کا پہلو بھی زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

غزل کے مقبول عام ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کے شعروں میں کیفیت اور تاثیر کی کارفرمائی عام طور پر بہت پائی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب غزل کا شعر سنا جاتا ہے، تو اس کا اثر فوراً دلوں پر پڑتا ہے، اور سننے والا واہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔غزل کے اشعار کی یہ تاثیر خواص کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی حد درجہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

غزل کے ہر شعر میں چونکہ بات مکمل ہو جاتی ہے، اس لیے ہر شعر اپنی جگہ معنی ومفہوم کی پوری کیفیت کو واضح کر دیتا ہے۔اس طرح ایک شعر ہی انسانی جذبہ واحساس کی ترجمانی کے لیے کافی ٹھہرتا ہے۔

3.3 غزل کی مقبولیت کے اسباب

3.3.1 غزل عشقیہ شاعری ہے

صنف غزل کا بنیادی موضوع عشق ہے جس کے تحت معاملات عشق وحسن کی رنگارنگ کیفیات وواردات کا بیان ہوتا ہے۔جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، غزل کے بارے میں ایک فارسی فقرہ ''حکایت بازناں گفتن'' استعمال کیا جاتا رہا ہے، جس کے معنی ہیں ''عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے بارے میں باتیں کرنا''۔اس طرح غزل گویا حدیث دلبری یا صحیفۂ عشق ہے۔لیکن غزل کا یہی انداز دلبری اور اظہار دلربائی ہے جس نے ہر دور اور ہر عہد میں اپنے پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں کو لبھایا۔ہر خاص وعام پر اس کے اثرات یکساں ہوئے، اور عوام وخواص نے اس کو اپنے سینے سے لگایا اور اپنے دامن دل میں جگہ دی۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی کا یہ قول کہ 'غزل اردو شاعری کی آبرو ہے' اس صنف کی غیر معمولی اہمیت اور قبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔غزل کے اس قبول عام میں اس کے عشقیہ موضوع کو بڑا دخل ہے۔اگرچہ غزل میں عشق کے علاوہ بھی بہت سے موضوعات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لیکن یہ عشق کا بیان ہے جس نے غزل کو مقبول بنانے میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عشق ایسا جذبہ ہے جو بنی نوع

انسان کو قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی جذبات میں عشق کا جذبہ بہت قوی اور شدید ہوتا ہے۔ اس جذبے کی گہرائی اور تاثیر سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاعری کے دیگر تمام موضوعات میں سب سے زیادہ اثر انگیز موضوع عشق ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس کا ثبوت مختلف تہذیبوں اور زبانوں کی شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اب اگر کسی صنف کا بنیادی موضوع ہی عشق ہو تو اس صنف کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

واضح رہے کہ غزل میں حسن و عشق کا بیان شاعر یا کسی شخص کی ذاتی زندگی سے متعلق نہیں ہوتا۔ اس میں یہ باتیں کچھ مخصوص تصورات کے تحت عمومی صورت حال کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ عشق و عاشقی کی باتیں ہر شخص کے دل کی آواز بن جاتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

کہانی اپنی روداد جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

غزل میں حسن و عشق سے متعلق اشعار کی تعداد سب سے زیادہ رہی ہے۔ شعرا نے عشق کی کیفیات کے بیان میں اپنے تخیل کی مدد سے ایسے ایسے پہلو پیدا کیے ہیں کہ وہ باتیں ہمارے احساس و فکر کو نیا رنگ و آہنگ عطا کرتی ہیں۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہے میری تری نسبت روح اور جسد کی سی
کب آپ سے میں تجھ کو اے جان جدا جانا
میرؔ

تیغ ستم سے اس کی مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا
میرؔ

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا
میرؔ

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی
سوداؔ

جب یار نے اٹھا کر زلفوں کے بال باندھے
تب میں نے اپنے دل میں کیا کیا خیال باندھے
سوداؔ

کس سے بیان کیجیے حال دل تباہ کا
سمجھے وہی اسے جو ہو زخمی تری نگاہ کا
سوداؔ

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مدعا پایا
غالبؔ

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا
غالبؔ

بوے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
غالبؔ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی
شیفتہؔ

یہ اشعار عشق کی مختلف کیفیات اور واردات کو نہ صرف ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ غزل میں عشقیہ موضوع کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں حقیقت اور مجاز دونوں کی کارفرمائی دیکھی جاتی ہے۔ حقیقت سے مراد وہ عشق ہے جس کا تعلق خدا سے ہے اور مجاز سے دنیاوی عشق مراد ہے۔ غزل کے بہت سے اشعار ایسے ہوتے ہیں جن میں عشق کی کیفیت کو دونوں پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اشعار کی یہ کیفیت بھی غزل کی قبولیت عام کی ضامن ہوتی ہے۔

3.3.2 غزل کی اشاریت اور ایمائیت

غزل اپنی فطرت کے لحاظ سے ایمائی شاعری ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ جب کوئی بات اشارے میں کہی جاتی ہے تو اس سے ایک طرح کا تجسس اور تحیر پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تحیر کی کیفیت عام طور سے لطف و انبساط کا سبب بنتی ہے۔ غزل کی اشاریت کا انحصار اس کے طرز بیان کے ساتھ ان لفظیات پر بھی ہے جو طویل مدت سے غزل میں استعمال ہوتی آ رہی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق فارسی غزل کی روایت سے ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ غزل کی صنف اردو میں فارسی سے آئی۔ اس طرح فارسی کی لفظیات جو غزل میں وہاں مستعمل تھیں، انھیں اردو میں بھی کثرت سے استعمال کیا گیا۔ یہ استعمال محض نقالی نہیں تھا بلکہ ان لفظیات کے ساتھ چونکہ غزل کا شعری مزاج وابستہ تھا اس لیے اس مزاج کو قائم رکھنے کے لیے ان لفظیات کو قائم رکھنا ضروری تھا۔ خیال رہے کہ یہ لفظیات زیادہ تر استعارہ اور علامت اور پیکر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے اکثر غزل کی شعری روایت کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ مثلاً پاس ناموس عشق، سرو و گل، غزالان شہر، رسم کہن، اشک فشانی، سحر بیانی، شورش آشفتہ سری، گریۂ شب، خانماں خراب، موج گل، دشت خار، مجنوں، نواح، برہنہ پا، طبع پریشاں، سرو رعنا، گل و بلبل، شیریں و فرہاد، موسی و طور، گل چیں، صیاد اور ایسے نہ جانے کتنے الفاظ، تراکیب اور علامتیں ہیں جو صدہا سال کی روایت سے غزل کی جمالیاتی قدروں کو قوت بخش رہی ہیں۔ اس کے علاوہ غزل کی قرأت اظہار و ابلاغ میں دلکشی و حسن پیدا کرتی ہے۔ احساس و جذبات کے اظہار کی دلکشی سے موضوع کی وسعت و ہمہ گیری عوام و خواص کے ذہن نشیں ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کی ذہنی و جذباتی تسکین کا سامان ان سے بہم پہنچتا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سؤں آزاد
طالب عشق ہوا پردۂ انسان میں آ — ولی

سمجھ کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں !
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے — سودا

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں؟
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں — درد

کچھ موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی — میر

پاس ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے — میر

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا — میر

تو نے آنکھیں پھیر لیں ،یاں کام آخر ہو گیا
طائر جاں پاے بند رشتۂ نظارہ تھا — ناسخ

یہ آرزو تھی تجھے گل کے رو برو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے — آتش

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا — مومن

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر — غالب

کس سے پیمان وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گل تر کی صورت — حالی

مستانہ کر رہا ہوں رہ عاشقی کو طے
لے جائے جذب شوق مِرا اب جدھر مجھے — جگر

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا — فانی

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے — حسرت

خود اپنی آگ میں جلتا تو کیمیا ہوتا
مزاج داں نہ تھا پروانہ شمع محفل کا — یاس

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں — فراق

نہ رہا جنون رخ وفا، یہ رسن، یہ دار کروگے کیا ؟
جنھیں جرم عشق پہ ناز تھا، وہ گناہ گار چلے گئے — فیض

3.3.3 عمومی کیفیات کی ترجمانی

غزل کی مقبولیت اور آفاقیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے عمومی انداز نگارش نے ایسے انداز بیان کی بنا ڈالی جو غزل میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور جس کے بغیر غزل کو غزل نہیں کہا جا سکتا۔ یہ انداز بیان اور اس رچی ہوئی کیفیت کا تعلق غزل کے صرف عشقیہ موضوعات سے نہیں ہے۔ بلکہ غزل میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ انسانی زندگی اور زمانے کا کوئی بھی موضوع ہو، وہ غزل میں اس طرح پیش کیا جائے کہ اس میں ان روایات کی مکمل پاسداری ہو، جس کلچر کے زیر سایہ غزل کی نشو ونما ہوئی اور وہ پروان چڑھی۔ اس تہذیبی اور ثقافتی روایات کی تعمیر و تشکیل میں عشق کی متنوع کیفیات کی بھی ترجمانی کا دخل ہے۔ ان میں عشق کے تصورات، مفروضات اور معیارات بھی اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہمیں ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تھوڑے سے زمانی بعد کے ساتھ کس طرح سے محسوس کرنے کا ایک خاص طریقہ، سوچنے کا مختلف زاویہ نگاہ اور پیش کش کا الگ انداز پایا جاتا ہے۔ یہی سب باتیں مل کر غزل میں اجتماعی طور پر عمومیت پیدا کرتی ہیں۔

غزل میں عشق کی کیفیات اور اس سے متعلق جزئیات کا بیان کچھ تصورات اور مفروضات کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ یہ مفروضے ظاہری طور پر بہت مختلف معلوم ہوتے ہیں، لیکن جب قاری یا سامع ان تصورات سے روبرو ہوتا ہے تو اسے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ جس کلچر نے غزل کو پیدا کیا ہے، یہ تصوارت اسی کلچر کی پیداوار ہیں۔ لہٰذا اگر تصورات اور ان سماجی و ثقافتی پس نظر کو سامنے رکھا جائے تو غزل کے یہ مفروضات عجیب و غریب نہیں معلوم ہوتے۔ مثال کے طور پر غزل میں مجنوں، گل، بلبل، دشت خار، نواح، برہنہ پا، فلک، موج، بہار، پاس ناموس عشق، ستم، جنوں، وفا، عشق، دار اور صیاد جیسی لفظیات کا جو استعمال ہوتا ہے یہ لفظیات کہیں عاشق و معشوق کے استعارے ہیں تو کہیں عشق کی راہ میں مسائل و مصائب کا بیان ہیں۔ اوپر سودا کا شعر آپ کی نظر سے

گذرا ہوگا جس میں مجنوں کو بطور تلمیح استعمال کیا گیا ہے۔ مجنوں کا نام آتے ہی ہمارے ذہن کی اسکرین پر ایک صحرانورد، بادپیما، سوختہ جاں اور گریباں چاک شخص کی شبیہ ابھر کر آتی ہے۔ بقول غالبؔ

شوق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

سوداؔ نے اس شعر میں مجنوں کی مناسبت سے نواح، اور برہنہ پا کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اسی طرح سے گل اور بلبل عاشق و معشوق کے استعارے ہیں۔ اسی طرح اوپر کے دیگر اشعار میں بھی غزل میں عشق کے تصورات اور مفروضات کے نقوش دیکھے جاسکتے ہیں۔

3.3.4 غزل میں غنائیت اور نغمگی

غزل کی مقبولیت کے اسباب میں ایک سبب اس کی غنائیت ہے۔ یوں تو غنائیت پوری شاعری میں کم و بیش پائی جاتی ہے کیونکہ شاعری بحر اور وزن کی پابند ہوتی ہے۔ لیکن غزل میں جس طرح کے آہنگ کو عام طور سے استعمال کیا جاتا ہے، اس میں نغمگی کی کیفیت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کی تمام اصناف میں غزل ہی وہ واحد صنف ہے جسے سب سے زیادہ گانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جس شاعری میں نغمگی کی کیفیت جتنی زیادہ ہوتی ہے اسے اتنی ہی خوبی کے ساتھ گایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے اشعار میں روانی کو بہت بڑی خوبی سمجھا گیا ہے۔ روانی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے کلام میں غنائیت پیدا ہوتی ہے۔

ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ گلوکار غزل کو سب سے زیادہ اپنے فن کے مظاہرے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ غزل گائیکی باقاعدہ الگ سے ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ بڑے سے بڑے گانے والوں نے غزل گائیکی کے میدان میں اپنی فنکاری کے جوہر دکھائے ہیں، اور اسی کی بنا پر ان کی شہرت قائم ہوئی ہے۔ گائیکی کا تعلق چونکہ عوامی آرٹ سے ہے اس لیے اس فن کے وسیلے سے بھی غزل کی مقبولیت میں قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ موسیقی کی دنیا کے نہایت بڑے فنکاروں کا نام غزل گائیکی کے حوالے سے مشہور ہے، مثلاً غلام علی، مہدی حسن، جگجیت سنگھ وغیرہ۔

3.3.5 مشاعرے کی روایت

غزل کو مقبول بنانے میں مشاعروں کا بھی بہت بڑا کردار رہا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشاعرے کی باقاعدہ روایت خاص ہندوستان سے تعلق رکھتی ہے۔ قدیم زمانے سے یہ روایت اب تک چلی آرہی ہے۔ قدیم شعرا مشاعرے میں جب اپنا کلام پڑھتے تھے تو سامعین کی داد و تحسین ان شعرا کی کامیابی اور قبول عام کی سند سمجھی جاتی تھی۔ مشاعرے دراصل ہماری ادبی تہذیب کا ایسا ادارہ تھے جہاں شاعری بالخصوص غزل کا سننا اور سنانا اپنے

آپ میں بہت اہمیت رکھتا تھا۔ مشاعرے کی دنیا میں کسی شاعر کا کامیابی حاصل کرنا اس کے مستند ہونے کی دلیل قرار پاتا تھا۔ چونکہ مشاعرے کی اصل حیثیت ایک بڑے ادبی اور شعری اجتماع کی رہی ہے، اس لیے اس میں جو شاعری سنائی جاتی ہے اس کے مشہور و مقبول ہونے کے امکانات بہت روشن ہوتے ہیں۔ اب جیسا کہ بتایا گیا، چونکہ مشاعرے میں عام طور سے غزل سنانے کا رواج زیادہ رہا ہے اور آج بھی یہ صورت حال کم و بیش قائم ہے، اس لیے غزل کی مقبولیت میں ان مشاعروں کا جو غیر معمولی رول ہے، اس سے انکار نہیں کیا سکتا۔

3.3.6 استادی اور شاگردی کا سلسلہ

غزل کو مقبول بنانے میں استادی اور شاگردی کے سلسلے کا بھی بہت دخل ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو شاعری کے میدان میں کوئی نو وارد جب قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے اسے جس صنف کے ذریعے شعر گوئی کی مشق کرائی جاتی ہے، وہ صنف غزل ہی ہے۔ ہمارے یہاں چونکہ قدیم زمانے سے استاد اور شاگرد کا سلسلہ چلا آ رہا ہے، اس لیے شاعری کے میدان میں مہارت حاصل کرنے کا سب سے کارآمد وسیلہ غزل گوئی کو سمجھا گیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت سے شعرا جنھوں نے آگے چل کر شاعری کی دیگر اصناف میں شہرت حاصل کی، انھوں نے بھی ابتدا میں غزل گوئی کو اپنا وسیلۂ اظہار بنایا۔ اس طرح غزل کی حیثیت شاعری کی تمام اصناف میں مرکزیت کی حامل رہی ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو شاعری کی مہتم بالشان عمارت میں غزل پہلی اینٹ کا درجہ رکھتی ہے۔

استادی اور شاگردی کی روایت کو سامنے رکھئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں استاد غیر معمولی حیثیت کا حامل ہوتا تھا۔ اکثر لوگ شاعری کے فن کو سیکھنے کے لیے قابل ذکر اساتذہ سے رجوع کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ استاد بھی اپنے شاگردوں کی اس طرح تربیت کرتے تھے کہ بہت سے شاگردوں کی پہچان ان کے استاد کے حوالے سے قائم ہوتی تھی۔ میرؔ، سوداؔ، غالبؔ، مصحفیؔ، ناسخؔ، آتشؔ وغیرہ کے بے شمار شاگرد رہے ہیں، جن میں بہت سے خود استاد کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ شاگرد زیادہ تر غزل گوئی ہی کے میدان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان اساتذہ کے کچھ اشعار دیکھئے:

سوداؔ جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس حال میں دیکھا — سوداؔ

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کار گہ شیشہ گری کا — میرؔ

نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں — دردؔ

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے — آتش

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے — فیض

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی صنف میں اساتذہ نے کیسی کیسی فنکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ یہ اشعار اس بات کا بھی ثبوت ہیں کہ غزل میں بات کو کس طرح اشارے اور کنائے کے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے جو بات بیان ہوتی ہے وہ اپنے اندر معنی کی کتنی وسعت رکھتی ہے۔ مزید یہ کہ معنی کی وسعت اور ہمہ گیری انسانی زندگی اور کائنات کے بارے میں بصیرت کو روشن بھی کرتی۔ چند شعر ملاحظہ کریں۔

بیگانہ سا لگے ہے چمن اب خزاں میں ہائے
ایسی گئی بہار مگر آشنا نہ تھی — میر

گئے جوں شمع اس مجلس میں جتنے
سبھوں پر حال ہے روشن ہمارا — میر

کہتے تھے اس لیے کہ نہ ہو آشنائے گل
اے عندلیب دیکھی نہ آخر وفائے گل — سودا

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گل چیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے — درد

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے — غالب

3.3.7 غزل میں معنی کی تہ داری

غزل کے اشعار کی ایک اہم صفت ان میں معنی کی تہ داری ہے۔ چونکہ غزل میں بات اشارے میں کہی جاتی ہے ،اس لیے یہاں براہ راست انداز بیان اختیار نہیں کیا جاتا، بلکہ بات کو بالواسطہ طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے معنی کی وضاحت کی بجائے رمزیہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، جب کسی بات کو اشارے میں کہا جائے گا تو اس کے معنی کو کئی پہلوؤں سے دیکھنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اور جب کسی شعر میں معنی ایک سے زیادہ پہلو کے امکان موجود ہوں تو اسے ہی معنی کی تہ داری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اشعار میں معنی کی تہ داری اکثر الفاظ کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا، غزل میں مستعمل الفاظ اپنے اندر معنی کے بہت سے پہلو رکھتے

ہیں، جو غزل کی روایت سے ان میں پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب یہ مخصوص الفاظ شعر میں آتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ معنی کی ایک دنیا بھی شعر میں آباد ہو جاتی ہے۔ مثلاً، کوچۂ یار، بیراگ، ظالم، گل، گل رو، خیال، یار، زلف، سنبل، عنبر، کافر، دادگر، رات، ظلمات، دام، زنجیر، کمند، سروقد، سری جن، صحرا، دل بری، پری رو، بلبل، شمع، پروانہ، بہار، گلشن، صیاد، گلچیں، قفس، آشیانہ، شراب، ساقی، جام، صراحی، دشنہ، خنجر، تیغ، مقتل، نرگس، آہو، ساحر، مست، بیمار، یاسمن، نسترن، ارغواں، سوسن، خار، گلبن وغیرہ۔ ان الفاظ کا اپنا ایک تہذیبی پس منظر ہے۔ وہ یوں ہی فضا میں پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ غزل میں استعارے اور علامت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ان علامتوں کے اندر معانی کا ایک سمندر پوشیدہ ہوتا ہے جس میں جتنا غور و خوض کیا جائے اتنی بار معنی کے نئے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔

غزل میں جو علامتیں، تمثیلیں اور کنائے استعمال ہوتے ہیں وہ اپنے حقیقی معنی کے علاوہ مجازی معنی بھی دیتے ہیں۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ لفظ اپنی اصل یا حقیقت سے آگے بڑھ کر مجازی معانی دیتے ہیں جو غزل کے شعر کی محدود و مخصوص فضا کو وسعت اور ہمہ گیریت میں تبدیل کر دیتا ہے اور تخئیل کی نئی زمین اور آسمان سے قاری و سامع کو آشنا کرتا ہے۔ جیسے گل محض پھول نہیں رہتا بلکہ معشوق کی علامت بن جاتا ہے۔ اسی طرح بلبل جو گل سے والہانہ محبت کرتی ہے، وہ جب غزل کے کسی مصرعے کا حصہ بنتی ہے تو وہی بلبل ایک عاشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی حال گل چیں کا ہے۔ وہ محض مالی یا گل کا محافظ نہیں ہے بلکہ عشق کرنے والوں کی ہنستی کھیلتی، کھلکھلاتی دنیا کو تخت و تاراج کر دینے والا ولن ہے اور ایسا ہی کچھ صیاد کا بھی معاملہ ہے، جو صرف پرندوں کو قید ہی نہیں کرتا بلکہ ان کے خانہ کو بھی خراب کر دیتا ہے۔ اسی طرح غزل میں محبوب کے لئے ظالم کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ جب آپ کی اس کے مجازی معنی تک رسائی ہوگی تو اندازا ہوگا کی اس کے پیچھے ایک پوری داستان ہے، ایک ان کہی کہانی ہے جس کا راز سب کو معلوم ہے۔ اردو شاعری میں معشوق کو ظالم یا کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر اپنے حسین و جمیل ہونے کا بہت غرور ہوتا ہے۔ وہ اپنے حسن و جمال کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ عاشق خواہ عشق کہ آگ میں جل کر خاک ہو جائے، اپنا گھر بار تباہ و برباد کر لے، لیکن محبوب کی جبیں پر ایک شکن بھی نہیں پڑتی۔ گلشن اور چمن کا استعمال اردو کے قدیم اور کلاسیکی شعرا نے بہت کیا ہے۔ ان الفاظ کے اصلی اور حقیقی معنی تو باغ کے ہیں لیکن اس سے الگ بہت کچھ مراد لیا جاتا ہے۔ گلشن یا چمن اس کے بسانے والے کے لئے ایک کائنات ہے جس میں ایک دنیا آباد ہوتی ہے، جس کے اجڑنے سے اس انسان کا سنسار اجڑ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چند شعر ملاحظہ کریں۔

صنم تیرے نین کی آرزو میں
کبھو سالم ، کبھو بیمار ہیں ہم — ولی

ستم روا ہے اسیروں پہ اس قدر صیاد؟
چمن چمن کہیں بلبل کی اب نوا بھی ہے — سودا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا غالبؔ

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے میرؔ
کیا دوانے نے موت پائی تھی میرؔ

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے میرؔ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اردو غزل ایسی صنف ہے جس میں انسان کی داخلی کیفیات کا بیان زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی اس کے جذبہ واحساس اور باطنی کیفیات کو بسا اوقات نہایت پر اثر انداز میں سامنے لایا جاتا ہے۔ یہ انداز ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ایک طرح کی عمومیت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عمومی کیفیت سے شعر میں کہی ہوئی بات سب کے دل کی آواز بن جاتی ہے۔

غزل کی مقبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ غزل کا ہر شعر اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے ایک مکمل اکائی ہوتا ہے۔ غزل کے دونوں مصرعوں میں شاعر اپنے خیال کو جب کامیابی کے ساتھ بیان کرتا ہے تو چند الفاظ پر مشتمل وہ شعر ایک پوری کہانی کہہ دیتا ہے۔ اردو شاعری کی جتنی بھی اصناف ہیں وہ یک موضوعی اور مسلسل ہوتی ہیں، اور یہ اشعار باہم مربوط اور سلسلہ وار ہوتے ہیں۔ کہیں داستان رزم و بزم کا بیان ہوتا ہے یا کسی ممدوح کی مدح ہوتی ہے یا کسی عزیز کے مرنے کا نوحہ ہوتا ہے جیسے قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ۔ لیکن غزل کو اردو کی شعری روایت میں امتیاز وافتخار حاصل ہے کہ اس کا کوئی بھی شعر دوسرے شعر سے موضوعاتی ومعنیاتی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر شعر اپنا ایک معنوی نظام رکھتا ہے جو اپنے آپ میں خود کفیل اور مکمل ہوتا ہے۔۔ اسی لیے معنی و موضوع کے لحاظ سے پوری غزل کو ایک اکائی نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کا ہر شعر الگ سے ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر میرؔ کی غزل کے پانچ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ کو اس غزل سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ غزل کے ہر شعر کا موضوع ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے؟
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

میرؔ! ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

پہلے شعر میں دنیا کی بے ثباتی کا بیان ہے۔ اور زندگی کی ناپائیداری کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں دنیا کے بے ثبات ہونے کا ہی بیان نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی ساری رونق اور رنگا رنگی ایک دھوکا ہے۔ دوسرے شعر میں محبوب کے ہونٹ کی نرمی و نازکی کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تیسرے شعر میں عاشق کی بے قراری کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ عاشق کے اضطراب کی یہ حالت ہے کہ وہ بار بار معشوق کے دروازے پر جاتا ہے، پھر بھی سکون نہیں ملتا۔ چوتھا شعر اس صورت حال کا بیان ہے جب عاشق اپنے معشوق کے دروازے پر صدا لگاتا ہے کہ اس کی فریاد کو سن لیا جائے، لیکن اس کے جواب میں معشوق کا یہ کہنا کہ یہ آواز تو اسی خانہ خراب یعنی تباہ حال عاشق کی معلوم ہوتی ہے، معشوق کے کردار کی مخصوص صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ پانچویں اور آخری شعر میں معشوق کی آنکھوں کی مستی کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جہاں تک اشعار کی تعداد کا تعلق ہے تو بنیادی طور پر غزل اختصار کی حامل صنف ہے۔ یعنی اس میں اشعار کی کثرت سے گریز کیا جاتا ہے۔ عام طور سے غزل میں کم سے کم پانچ اشعار کی پابندی کی جاتی ہے اور زیادہ سے سات یا نو یا گیارہ اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ بعض اوقات شعرا نے اس سے بھی زیادہ اشعار کی غزلیں کہی ہیں۔ ایسی طویل غزلوں کو دوغزلہ اور سہ غزلہ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن ایسی غزلیں تعداد میں بہت کم ہیں اور انھیں غزل کی عام ہیئت کے اعتبار سے مستثنیات کی حیثیت حاصل ہے۔

3.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں

- آپ نے غزل کی مقبولیت کے اسباب سے واقفیت حاصل کی۔
- آپ کو غزل کی مقبولیت کے محرکات سے آگاہی ہوئی۔
- غزل کی ایک اہم صفت داخلیت ہے، اس سے واقف ہوئے۔
- آپ کو غزل کے موضوعات کے تعلق سے آگاہی ہوئی۔
- آپ نے اردو غزل کی خصوصیات سے واقفیت حاصل کی۔
- غزل کی نغمگی سے آپ واقف ہوئے۔
- غزل گوئی میں استاد اور شاگرد کا کیا کردار رہا ہے، اس سے باخبر ہوئے۔
- غزل اور موسیقی کے رشتے کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ غزل گائیکی خود ایک فن کی حیثیت سے قائم ہے۔

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ ایجاز واختصار سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2۔ اردو غزل پر علامتوں، اشاروں، کنایوں اور تمثیلوں کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

3۔ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہے۔؟ اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔

4۔ اردو غزل کی خصوصیات پر ایک پیراگراف لکھیے؟

5۔ اردو غزل کے موضوعات پر ایک پیراگراف لکھیے؟

6۔ غالبؔ کے کلام کی موزونیت پر ایک پیراگراف لکھیے؟

7۔ میر تقی میرؔ کی شاعری نغمگی اور موسیقیت سے پُر ہے'' اس کی وضاحت کیجیے؟

3.6 سوالوں کے جوابات

1- ایجاز واختصار کا مطلب ہے کم سے کم الفاظ میں زیادہ بات کہنا، یعنی دریا کو کوزے میں بند کرنا۔ غزل چونکہ مختصر صنف سخن ہے اور اس میں پوری بات کو ایک ہی شعر میں مکمل کیا جاتا ہے۔ اس لیے ایجاز اور اختصار غزل کے شعر کے لیے لازمی صفت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر غزل میں چونکہ اکثر باتوں کو تصورات اور مفروضات کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے اس لیے ایک ایک لفظ اپنے ساتھ معنی ومفہوم کی ایک دنیا کے ساتھ اشعار میں آتا ہے۔ اور غزل میں کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ باتیں بیان ہو جاتی ہیں۔

2- غزل کی علامتوں اور استعاروں کے اندر معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہ استعارے اور علامتیں فارسی اور اردو کی شعری روایت اور تہذیب سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان کے ساتھ بہت سے تصورات اور رسومیات وابستہ ہیں۔ جب ان استعاروں اور علامتوں کو اشعار میں استعمال کیا جاتا ہے تو ان سے وابستہ یہی تصورات معنی ومفہوم کی دنیا آباد کرتے ہیں۔ ان علامتوں کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے وسیلے سے نہایت گہرے اور وسیع خیالات کو ادا کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے ان کے استعمال سے شعروں میں اشاریت کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

3- غزل کی مقبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ غزل کا ہر شعر اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے ایک مکمل اکائی ہوتا ہے۔ غزل کے دونوں مصرعوں میں شاعر اپنا مدعا بڑی آسانی سے بیان کر لیتا ہے۔ اردو شاعری کی جتنی بھی اصناف ہیں وہ یک موضوعی اور مسلسل ہوتی ہیں۔ اور ان کے اشعار باہم مربوط اور سلسلہ وار ہوتے ہیں۔ جس میں داستان رزم وبزم کا بیان ہوتا یا کسی ممدوح کی مدح ہوتی یا کسی عزیز کے مرنے کا نوحہ ہوتا جیسے قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ۔ لیکن غزل کو اردو کی شعری روایت میں امتیاز وافتخار

حاصل ہے کہ اس کا کوئی بھی شعر دوسرے شعر سے موضوعاتی و معنیاتی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر شعر اپنا ایک معنوی نظام رکھتا ہے جو اپنے آپ میں خود کفیل اور مکمل ہوتا ہے۔۔اسی لیے معنی و موضوع کے لحاظ سے پوری غزل کو ایک اکائی نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کا ہر شعر الگ سے ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔

4- چونکہ غزل میں کسی بات یا خیال کا بیان ایک شعر میں مکمل کرنے کی شرط ہوتی ہے، اور ایک شعر یعنی محض دو مصرعوں میں چند ہی الفاظ لائے جا سکتے ہیں، اس لیے لامحالہ بات کو اشاروں میں کہنا ضروری ہوتا ہے۔اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ غزل کے شعر میں بات کو کھول کر اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔اسی لیے غزل کی سب سے بنیادی صنفی خصوصیت اس کا رمزیہ اور اشاراتی طرز بیان سمجھا جاتا ہے۔

5- اپنی خارجی ہیئت کے لحاظ سے غزل دیگر اصناف کے مقابلے میں محدود صنف ہے۔لیکن جہاں تک اس میں بیان ہونے والے موضوعات کا تعلق ہے تو غزل کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ غزل بنیادی طور پر عشقیہ شاعری ہے، اس لیے غزل کا سب سے اہم موضوع تو عشق ہی ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ فارسی اور اردو میں کئی سو سال کے عرصے میں کہی ہوئی غزلوں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں سب سے زیادہ تعداد ان اشعار کی ملے گی جن کا تعلق حسن و عشق سے متعلق باتوں سے ہے۔لیکن اسی کے ساتھ غزل کی صنف کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اس میں حیات و کائنات کے تعلق سے بے شمار ایسی باتوں کا بیان کیا جاتا رہا ہے جن کا کوئی تعلق عشق و محبت سے نہیں ہے۔ان موضوعات میں اخلاقیات، حکمت و فلسفہ، دنیا کی بے ثباتی، زندگی و موت کی حقیقت، انسانی زندگی کے مختلف النوع پہلو وغیرہ سب کچھ داخل ہیں۔

6- موزونیت اور نغمگی کلامِ غالبؔ کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔غالبؔ کو موسیقی سے بھی خاصی دلچسپی تھی، اسی لئے وہ لفظوں کا جس ہنرمندی سے انتخاب کرتے ہیں اور جس سلیقے سے وہ انھیں ترتیب دیتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھیں اس فن پر کیسا عبور حاصل تھا۔اسی لئے ان کی بیشتر غزلوں میں یہ خوبی موجود ہے کہ انھیں دلکش ترنم کے ساتھ گایا جا سکتا ہے۔

7- نغمگی اور موسیقیت میرؔ کی شاعری کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، اسے ان کی صناعی اور شاعرانہ مہارت ہی کہا جا سکتا ہے کہ ثقیل الفاظ بھی ان کے کلام میں موم کی طرح پگھل جاتے ہیں اور وہ انھیں جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔اشعارِ میرؔ کی نغمگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ افعال اور طویل مصّوتوں کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور ماہرینِ موسیقی کا کہنا ہے کہ افعال اور طویل مصّوتوں کے استعمال سے شعر کی نغمگی میں اضافہ ہوتا ہے جیسے میرؔ کے یہ اشعار:

کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشمِ گریہ ناک — مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا
عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گئی آرام گیا — جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

3.7 فرہنگ

اساس	:	بنیاد
تنوع	:	قسم قسم کا ، رنگا رنگی
ہمہ گیری	:	وسعت
آفاقی	:	عالمگیر ، پوری دنیا میں جانا جانے والا
زیست	:	زندگی
تاراج	:	بربادی ، غارت گری
اسباب	:	سبب کی جمع، وجہ
عروج	:	بلندی
جدت	:	نیاپن
عظمت	:	بڑائی
بلند آہنگ	:	بلند آواز، تیز آواز
سہل	:	آسان
انفرادیت	:	ذاتی اور شخصی پہچان
اجتماعیت	:	جماعتی خصوصیت
رمزیت	:	اشاریت
صوت	:	آواز
آہنگ	:	سُر، لے
ایمائیت	:	اشارے کنایے میں بات کہنے کا انداز
مکتفی	:	مکمل، پورا
اسلوب	:	طرز ،طریقہ
تتبع	:	پیروی ،
امتزاج	:	ملانا ، ملاجُلا
ایہام	:	وہم میں ڈالنا
صنف	:	شاعری کی قسم
سخن	:	شاعری
عناصر	:	عنصر کی جمع، جزو
اصطلاح	:	عام معنی کے علاہ کوئی اور مخصوص معنی
ہیئت	:	شکل (فارم)
ناقد	:	تنقید کرنے والا
رمز	:	اشارہ
ابہام	:	مبہم، جو واضح نہ ہو
ہجر	:	جدائی، دوری
تشبیب	:	عاشقانہ مضامین بیان کرنا، اصطلاح میں قصیدے کی ابتدا میں عاشقانہ مضامین نظم کرنا
مسحور کرنا	:	جادو کا اثر کرنا
غنائیت	:	نغمے کی کیفیت، موسیقیت ۔

3.8 کتب برائے مطالعہ

1	اردو غزل	ڈاکٹر کامل قریشی
2	اردو غزل	یوسف حسین خاں
3	غزل اور مطالعۂ غزل	عبادت بریلوی
4	غزل اور متغزلین	ابواللیث صدیقی
5	درسِ بلاغت	ترقی اردو بورڈ
6	غزل فن اور فنکار	(مرتبہ) ثریا حسین
7	اردو غزل کی نشو و نما	رفیق حسن
8	اردو غزل کے پچاس سال	عبدالاحد خاں خلیل
9	غزل اور درس غزل	اختر انصاری
10	اردو شاعری کا مزاج	ڈاکٹر وزیر آغا
11	آب حیات	محمد حسین آزاد
12	شعر شور انگیز	شمس الرحمٰن فاروقی

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 4 اردو غزل کا تہذیبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی پس منظر

ساخت

4.1 اغراض ومقاصد

4.2 تمہید

4.3 غزل کی تعریف

4.4 اردو غزل کا پس منظر

4.4.1 غزل کا تہذیبی پس منظر

4.2.2 غزل کا سماجی پس منظر

4.3.3 غزل کا سیاسی پس منظر

4.4.4 غزل کا اقتصادی پس منظر

4.5 آپ نے کیا سیکھا

4.6 اپنا امتحان خود لیجیے

4.7 سوالات کے جوابات

4.8 فرہنگ

4.9 کتب برائے مطالعہ

4.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا بنیادی مقصد شاعری خصوصاً 'غزل' سے متعارف کرانا ہے تا کہ ادب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ یہ جان سکیں کہ اردو غزل کا منظر، پس منظر کیا ہے۔ وہ کن ادوار سے گُزرتی ہوئی عہد حاضر میں داخل ہوئی ہے۔ بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دیتے ہوئے بھی یہ صنف اپنی پُشت پر کسی خاص زمانے کی مہر نہیں لگواتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غزل کا ارتقاء سیدھی لکیر کی طرح ہوا ہے بلکہ اس کی چار پانچ صدیوں پر مشتمل فکری اور فنّی روایت میں جہاں ادبی لطافت وصلابت کی چاشنی شامل ہے وہیں یہ صنف سخت اعتراضات کے مشکل ترین مرحلوں سے بھی گُزری ہے۔ مذکورہ اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ قدیم غزل، جسے کلاسیکی غزل کہتے ہیں، سے واقف ہوتے ہوئے، نئی غزل، ترقی پسند غزل، جدید اور مابعد جدید غزل کے رنگ وآہنگ کو پہچاننے میں کامیاب ہوسکیں گے۔ اُنھیں اِس کا بھی علم ہوسکے گا کہ ارتقاء کے مختلف ادوار میں یہ صنف معاصر تہذیبی، سیاسی، سماجی، اقتصادی قدروں سے ہم آہنگ رہی ہے اور ہر عہد میں اسالیبِ اظہار کا تنوع غزل کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ آیئے اِس مکمل سفر کی نوعیت کے حصہ دار بنتے ہوئے اسے ذہن نشین کریں۔

4.2 تمہید

غزل، اردو کی کلاسیکی اصناف میں مقبول ترین صنفِ سخن ہے جو زبانوں، علاقوں اور ملکوں کے حدود کو مٹاتے ہوئے آج دنیا کی بیشتر زبانوں میں اپنا سکہ جما چکی ہے۔ یہ محض لفظوں کو جوڑنے کا فن یا بیان واظہار کا تحریری ذریعہ ہی

نہیں ہے بلکہ اس کے وسیلے سے شاعر اپنے رنگا رنگ اور مختلف قسم کے تجربات کو نئے نئے تخلیقی پیکروں میں ڈھالتے ہوئے قاری کے ذوقِ عمل اور ذوقِ جمال کو آسودہ کرتا ہے۔ اسی لیے یہ صنفِ سخن شاعر کی شعوری کوشش کا نتیجہ قرار پاتی ہے۔ اس میں جہاں ایک جانب خارجی اثرات تحلیل ہوتے ہیں وہیں دوسری جانب احساسات وجذبات کو بھی بروئے کار لایا جاتا ہے۔ طلبہ اس اکائی کے مطالعہ سے یہ بھی جان سکیں گے کہ نمایاں ہونے والی تہذیبی قدروں اور فکری رویوں نے غزل کو نئے نئے مضامین وموضوعات سے ثروت مند کیا ہے اور نئی لفظیات، تراکیب اور وسائلِ اظہار کے لیے بھی راہیں ہموار کی ہیں۔ انھیں نکات پر یہ اکائی ترتیب دی گئی ہے۔

4.3 غزل کی تعریف

ابتدائی عہد میں غزل سے مُراد تھی محبوب سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا، حُسن و جمال کی باتیں کرنا۔ بعد میں بھی اس تصوّر کا رشتہ کسی نہ کسی اعتبار سے عورتوں اور اُن سے متعلق جذبات واحساسات سے منسلک رہا ہے۔ اسی لیے اس کے لغوی معنی ''گفتگو باز نان کردن'' بھی ہیں یعنی عورتوں سے گفتگو کرنا اور محبوب سے عشق کا اظہار کرنا، اس کے حسن و جمال کی تعریف کرنا۔ شاعری کی اصطلاح میں غزل وہ صنف ہے جس کے تمام مصرعے ایک ہی وزن اور بحر میں ہوں۔ اس کا پہلا شعر مطلع اور آخری شعر مقطع کہلاتا ہے۔ شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اس کا فن اختصار وایجاز کا ہے۔ دو مصرعوں کی محدود کائنات میں ایک مکمل تجربۂ زندگی کا اظہار حیرت واستعجاب میں مبتلا کرتا ہے۔ غزل میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں۔ عموماً پانچ سات اشعار کی غزل ہوتی ہے۔ اس کا موضوع کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ حسن وعشق کا تذکرہ ہو، معشوق کی بے وفائی کا رونا ہو، ہجر میں تڑپنے کی کیفیت ہو، اس کے تجاہل وتغافل، ظلم وجور کا چرچا ہو، وصالِ محبوب کی تمنا ہو، گلے شکوے ہوں، عاشق کی ناکام محبت اور اُس کی جذباتی شکست وریخت کی ترجمانی ہو۔ گویا ؎

ہوتی ہے بیاں دل کی ہر ایک بات غزل میں

تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو اردو غزل نے فارسی غزل کی کوکھ سے جنم لیا ہے لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ صنف عربی کے قصیدے کی تشبیب کو الگ کرکے حسن وعشق کی واردات وتجربات کی آئینہ داری کے لیے مختص کی گئی۔ جب فارس میں شعر گوئی کا آغاز ہوا تو فارسی شاعری نے عربی شعری جمالیات سے متاثر ہوکر تشبیب کے حصے کو غزل کا نام دے کر بامِ عروج پر پہنچایا۔ جب اس صنفِ سخن نے سرزمین ایران سے نکل کر ہندوستان کی زمین پر قدم رکھا تو یہ صنف ہمارے تہذیبی، سیاسی، سماجی، اقتصادی تغیرات کے ساتھ جذباتی زندگی کے احساسِ جمال کو پیش کرنے کا وسیلہ بن گئی۔ اس طرح اردو غزل شاعری کی محبوب ترین صنف قرار پاتے ہوئے ہر دور میں سرتاجِ سخن رہی ہے۔

4.4 اردو غزل کا پس منظر

4.4.1 غزل کا تہذیبی پس منظر

پچھلے صفحات میں غزل کی تاریخ کا ذکر تھا، اب تہذیب پر گفتگو مقصود ہے۔ دراصل تاریخ اور تہذیب دو الگ الگ شعبۂ جات ہوتے ہوئے بھی بے حد قریب ہیں۔ تاریخ علم ہے جب کہ تہذیب عمل بھی ہے۔ ایک کا محور

گُزرا ہوا زمانہ تو دوسرے کا اُس سے جذباتی رشتہ کا تعلق قرار پاتا ہے۔ عام طور پر اردو میں تہذیب کا لفظ شائستگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ تربیت یافتہ فطرت کا نام ہے، جس میں شاعر اپنی قوتِ متخیلہ کے ذریعے نت نئے تخلیقی نقش ونگار اُبھارتا ہے۔ بقول حسرت ؎

مسلکِ عشق ہے پرستش حُسن
ہم نہیں جانتے عذاب وثواب

اس شعری عمل میں جمالیاتی احساس کے ساتھ فنا کی وادی میں گُم ہوتی ہوئی تہذیب کے کرب کو اس طرح تحلیل کر دیا جانا کہ قاری اُنھیں بخوبی محسوس کر لیتا ہے جیسے ولی اورنگ آبادی کی غزلوں میں دکنی تہذیب جلوہ گر ہے تو میر وظفر کے عہد کی غزلوں میں تصوف ومعرفت کے رموز کے ساتھ دبستانِ دہلی کی دم توڑتی ہوئی تہذیب تلاش کی جاسکتی ہے۔ حالی نے اخلاق ونصیحت کے نکات کو ایک نیا انداز دیا۔ انھوں نے چُبھتے ہوئے انداز میں تہذیب کی بازیافت پر زور دیا۔ یونان وروم اور عرب وایران کے ساتھ ہندوستانی تہذیب کی نشاندہی کی نیز گنگا جمنی تہذیب کی اہمیت واضح کی جس پر علامہ اقبال کہہ اُٹھے ؎

یونان ومصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام ونشاں ہمارا

حسرت موہانی نے عشقیہ تصور کے ساتھ سامراجی نظام کو احاطۂ تحریر میں لیتے ہوئے غزل کے دائرے کو مزید وسیع کیا ؎

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

4.4.2 غزل کا سماجی پس منظر

تہذیب انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے اور سماج اسی کے سایہ میں پروان چڑھتا ہے۔ بنتی بگڑتی تہذیب ہم عصر سماجی تقاضوں کا عکاس ہوتا ہے۔ دونوں میں جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں شاعر اُن کا امین بن جاتا ہے۔ اور پھر وہ اشعار کے توسط سے قاری کو آئینہ دکھاتا ہے کہ سماجی فلاح وبہبود کے جتن، تہذیب میں نکھار، بہ صورتِ دیگر زوال کا سبب بنتے ہیں۔ کیوں کہ ؎

علم و ہُنر کی روشنی پھیلتی ہے اِسی طرح
جلتے ہیں اک چراغ سے جیسے ہزار ہا چراغ

اردو غزل نے یہ ثابت کیا ہے کہ جیسے جیسے تہذیبی عوامل طے ہوتے رہے، سماج بھی منزل بہ منزل اُن کے دوش بدوش پروان چڑھتا رہا ہے۔ عربوں، ترکوں، افغانیوں اور مغلوں نے برہمنوں، چھتریوں خصوصاً راجپوتوں کے طور طریق، رسم ورواج، رہن سہن وغیرہ کو قبول کیا اور اپنے ان گنت اثرات اُن پر مرتب کیے۔ ان سب کی نشاندہی قدیم وجدید غزل میں ملتی ہے۔ ترقی پسندوں نے اِس گنگا جمنی رنگ وآہنگ کو خوبی سے برتا ہے۔

4.4.3 غزل کا سیاسی پس منظر

تاریخ اور تہذیب کی طرح سیاسی تصور بھی شعر و ادب میں شروع سے تحلیل ہوتا رہا ہے۔ اس کا سلسلہ امیر خسرو یعنی شمالی ہند سے جوڑا جا سکتا ہے مگر باقاعدہ صنف غزل دکن کی دین ہے۔ ۱۳۴۷ء میں ایرانی النسل علاء الدین حسن گنگو بہمنی نے دکن کو ایک خود مختار ریاست کی حیثیت دی۔ یہ چھوٹی سی ریاست جلد ہی ایک وسیع اور پائیدار سلطنت کی شکل اختیار کر گئی اور ساتھ ہی علم و فن کا مرکز بننا شروع ہوئی۔ مثنوی اور قصیدہ کی طرح 'غزل' کو بھی مقام حاصل ہوا، اور جب آخری بہمنی حکمراں محمود شاہ کی غفلت کی بدولت سلطنت پانچ خود مختار ریاستوں میں منقسم ہوگئی تو غزل کے پانچ مراکز ہو گئے۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے حکمرانوں نے اسے خاص طور سے پروان چڑھایا۔ شاہی سرپرستی، خوشگوار ماحول اور فنکارانہ صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی نے صنف غزل کو اُبھرنے کے بہترین مواقع فراہم کیے۔ سیاسی بدلاؤ کی بدولت 1686 میں بیجاپور اور 1687 میں گولکنڈہ کی ریاستوں کو مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے مغل سلطنت میں شامل کر لیا۔ تعمیر و تخریب کے اُس دور میں بھی غزل کو پھلنے پھولنے کے مواقع ملتے رہے۔ البتہ مغلوں کے عہد زوال میں یہ صنف ادبی اُفق پر پوری طرح سے چھاتے ہوئے سیاسی اوتھل پتھل کی گواہ بن گئی۔ اس صنف کی سب سے بڑی تبدیلی کا زمانہ غالبؔ اور اُن کے معاصرین کا ہے۔ سرسید اور رفقائے سرسید کی جارحانہ تنقید بھی اس میں بے حد معاون رہی ہے۔ خاص طور سے حالیؔ کا مطمحِ نظر اور تخریبی عمل، تعمیری ثابت ہوتا ہے۔ وہ غزل کے شاعر ہونے کے باوجود ادب اور صحت مند معاشرے کے باہمی ربط کے متمنی تھے، نیز ایسی غزل کے خواہاں تھے جو سماجی انقلاب سے ہم آہنگ ہو اور قومی و اجتماعی اور ملی شعور کی بیداری میں کلیدی کردار ادا کر سکے۔ جذبیؔ کا یہ شعر سیاسی تبدیلی کا غماز ہے ؎

وہ غلامی کا لہو جو تھا رگ اسلاف میں
شکر ہے جذبیؔ کہ اب ہم نوجوانوں میں نہیں

4.4.4 غزل کا اقتصادی پس منظر

اورنگ زیب کی وفات (1707ء) کے بعد ہندوستانی معاشرے میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن کی ان گنت مثالیں شعر و ادب میں محفوظ ہیں۔ یہ تبدیلیاں تہذیبی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی انحطاط کی مظہر تھیں لیکن اردو غزل کے لیے سازگار تھیں۔ غزل گو شعراء دکن سے دہلی اور دہلی سے لکھنؤ منتقل ہوئے۔ عظیم آباد، مرشد آباد، رامپور جیسے کئی ادبی مراکز وجود میں آ چکے تھے مگر یہی وہ دور بھی ہے جب اس صنف پر اعتراضات کیے گئے۔ سخت نکتہ چینی کی وجہ ملک کی اقتصادی بدحالی تھی۔ چرمراتے ہوئے معاشی ڈھانچے کے پیش نظر تصنع اور بے جا مبالغہ کی جگہ اصلیت پر زور دینے کو کہا گیا۔ دانشورانِ علم و ادب نے محسوس کر لیا تھا کہ غزل نے جہاں تک تہذیبی، سماجی اور سیاسی زندگی کی ترجمانی میں خلوص اور صداقت کا ثبوت دیا ہے وہیں اقتصادی زوال سے متاثر معاشرے کی بھی حقیقی ترجمانی یہی صنف کر سکتی ہے۔ اور پھر بقول اصغرؔ شعر انے ؎

آلامِ روزگار کو آساں بنادیا
جو غم ملا اسے غمِ جاناں بنادیا

مذکورہ خطوط پر عمل پیرا صنفِ غزل آج بھی پورے حسن و جمال، رعنائیوں، رنگینیوں اور دلآویزیوں کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہے اور اپنے اندر بے پناہ امکانات رکھتی ہے۔

غزل کے اہم موضوعات اور فکری رُجحانات: امام آثر نے لکھا ہے کہ ''غزل میں ایسے مضامین جو اعلیٰ درجہ کے وارداتِ قلبیہ اور ارفع درجہ کے امور ذہنیہ سے خبر دیتے ہیں، حوالۂ قلم کیے جاتے ہیں''۔ یہ صنف اپنے ابتدائی دور میں حسن کے کرشموں، عشق کے ولولوں، ہجر کے شکوے، وصل کی شادمانی، رقیب کی روسیاہی جیسے موضوع پر مختص رہی۔ دوسرے دور میں صوفیانہ و عارفانہ کلام، اخلاقی موضوعات اس کے دامن میں سماتے چلے گئے اور رفتہ رفتہ یہ حسن و عشق کی حدود سے باہر نکل کر زندگی کے دوسرے گوشوں کی آئینہ داری میں کلیدی کردار ادا کرنے لگی۔ مثلاً قلی قطب شاہ نے غزل کے توسط سے ہند ایرانی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہوئے عوامی زندگی کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کی عکاسی کی۔ فائز دہلوی نے مقامی رنگ و آہنگ میں عوامی احساسات و جذبات اور ہندوستانی روایات کو پیش کیا۔ میر نے اسی صنف کے توسط سے دلّی کی زبوں حالی اور حکومت کے زوال کا پردہ چاک کیا۔ سودا غزل کی وساطت سے اپنی فعالیت، مردانہ تیور، پُرشکوہ، باوقار اور بلند آہنگ الفاظ کے ساتھ اپنے عہد کے انتشار سے برسرِ پیکار رہے۔ درد نے اسی صنف میں تصوف کے رموز و نکات کی تشریح و تعبیر پیش کی۔ غالب کے تفکر اور ان کی جمالیاتی شخصیت کے آئینے میں حیات و کائنات کے معروضی مطالعے نے غزل کو وسعت بخشی۔ لکھنؤ کے شعراء خصوصاً جرأت، انشا اور رنگین نے اس میں نسائیت اور ہوس کے موضوع کو مختلف پہلوؤں سے پیش کیا۔ اقبال نے غزل کے توسط سے سوئی ہوئی قوم کو عروج و ترقی کے گُر بتائے۔ اس طرح غزل میں مختلف جذبات و احساسات کے اظہار کے علاوہ زندگی کے دوسرے مسائل، افراد کے ذہنی رویے، عصری زندگی کی گھٹن، اقدار کی شکست و ریخت، رشتوں کی پامالی، مشینی زندگی کی لعنتیں، بے ستمی، بے تعلقی، داخلی تفکر، کرب و اضطراب، بے چہرگی، خوف، تنہائی، بے بسی، نا اُمیدی کی نفسیات میلان و رجحان کی حساس داخلی ترجمانی جدید غزل کا موضوع بن گئی۔ اس طرح آپ کے ذہن نشین ہو چکا ہوگا کہ وقت اور ضرورت کے تقاضے کے پیشِ نظر اردو غزل نے اپنے دامن کو وسیع کیا اور زندگی کے گوناگوں موضوعات کی ترجمانی اپنے مخصوص سانچے میں ڈھال کر کی۔

غزل کی مقبولیت کے اسباب: صنف غزل کی مقبولیت میں ایک بڑی وجہ رمزیت اور ایمائیت کا دخل ہے۔ شاعر جانتا ہے کہ اس سے شعر کی معنویت میں تنوع اور نیرنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ تخیل کا ایک کرشمہ ہے۔ اس میں شاعر اپنے تاثرات کا اظہار اشاروں میں کرتا ہے تاکہ اس کے ذوق وجدان کی آئینہ داری ہو سکے۔ دوسری صنفی خصوصیت جو مقبولیت کا سبب بنی وہ اس کی داخلیت ہے۔ اس وصف سے مُراد شاعر کا اپنے وارداتِ قلبی کا موثر اظہار کرنا ہے جس میں شاعر رمزیت اور ایمائیت کے پردے میں کسی تجربے کی ترسیل کا فریضہ انجام دیتا ہے، ساتھ ہی اپنے مخصوص استعاراتی نظام کے پیرایے میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے۔ یعنی دو مصرعوں کی محدود کائنات میں ایک مکمل تجربۂ زندگی کا اظہار جس مقناطیسی کشش کے ساتھ غزل میں ہوتا ہے، کسی اور صنف میں ممکن نہیں۔

اب آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اردو غزل اپنی انھیں صفات و کمالات کے سبب ہر زمانے میں مقبول و محبوب اور اردو شاعری کا سرمایہ افتخار رہی ہے۔ نیازؔ فتح پوری نے اسے اردو شاعری کی روح سے موسوم کیا تو رشید احمد صدیقی نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا۔ یوسف حسن خاں نے موسیقی کا رس اور فراقؔ گورکھپوری نے ''شاعری کا عطر'' سے تشبیہ دی ہے۔ یہ صنف جہاں ایک طرف اپنی غنائی دلآویزی اور شعریت سے بھرپور موسیقی سے قاری اور سامع کو اپنا دلدادہ بنا دیتی ہے تو دوسری طرف غزل کا صوتی آہنگ قلب و نظر میں دلفریبی کا ضامن ہے۔ ہماری شاعری میں یہ واحد صنف ہے جو رُکاوٹوں کے باوجود اپنی مخصوص غیر مبدل ہیئت کو آج تک برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ کھلواڑ کرنے والے شعرا اور ناقدین کی آرا سے اردو ادب کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ پھر بھی غزل کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ وجہ یہ کہ مذکورہ صنف سخن اپنی داخلیت کے سبب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حیات و کائنات کے تمام نقوش کا انعکاس ہوتا ہے۔ اس نے شاعری کے ہر دور میں معاشرے کے تقاضوں کو پورا کیا اور انسانی جذبات و احساسات اور داخلی کیفیات کی ترجمانی کی ہے۔ انھیں صفات و کمالات کے سبب اردو غزل آج کی برق رفتاری اور فنّی تبدیلیوں کے دور میں بھی پورے حسن و جمال، رعنائیوں، رنگینیوں اور دلآویزیوں کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہے۔

4.5 آپ نے کیا سیکھا

- ہم سمجھ گئے ہیں کہ غزل کا ہر شعر معنیٰ کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے اور یہ بھی جان گئے ہیں کہ اس کا دوسرے شعر سے معنوی ربط ضروری نہیں ہے۔
- ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ مجاز کی دوسری قسم استعارہ ہے جس کی بنیاد تشبیہ پر ہوتی ہے۔
- ہمارے علم میں یہ آ گیا ہے کہ غزل کے فن میں صنعت نگاری کی خاص اہمیت ہے اور ہر دور میں اس سے کام لیا گیا ہے کیوں کہ شاعر جانتا ہے کہ اس سے شعر میں وسعت، گہرائی، گیرائی اور معنوی دلکشی پیدا ہوتی ہے ساتھ ہی ساتھ نغمگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔
- ہم اس اکائی کی مدد سے یہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ غزل کا خاص موضوع عشق ہے۔ اس کا واحد متکلم عاشق ہوتا ہے۔ البتہ میرؔ، جرأتؔ، انشاءؔ، داغؔ، مومنؔ اور اقبالؔ کے عاشق الگ الگ نظر آتے ہیں جو غزل میں اپنے عشقیہ جذبات و احساسات کا اظہار مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ یہ جُداگانہ اندازِ بیان غزل کی مقبولیت کا ضامن بنتا ہے۔

4.6 اپنا امتحان خود لیجیے

1- غزل کیا ہے؟

2- غزل کی مختصر ترین تعریف اپنے الفاظ میں رقم کیجیے۔

3- غزل کا ارتقاء صرف دو لائینوں میں بتائیے۔

4- غزل کی ہیئت وساخت کو مختصراً واضح کیجیے۔

5- غزل کے سیاسی اور اقتصادی پس منظر کو صرف ایک لائن میں بیان کیجیے۔

6- غزل کے اہم موضوعات کیا ہیں؟

7- رجحانات یا تحریکات میں سب سے زیادہ کس نے غزل کو متاثر کیا ہے؟

8- اردو غزل کے امکانات کیا ہیں؟

4.7 سوالات کے جوابات

1- غزل اپنی گوناگوں کیفیات کی بنا پر اردو کی مقبول ترین صنف ہے۔

2- حسین لمحات وجذبات کی ترجمانی کرنے والی اس صنف کا دائرہ فکری اعتبار سے بے حد وسیع ہے۔ یہ تخیل کا ایک کرشمہ ہے جس کے ذریعہ ہر طرح کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔

3- دکن نے اس کی نشو ونما کی۔ دبستان دہلی اور لکھنؤ نے جدّت اور نُدرت پیدا کی۔ 1857ء کے بعد یہ نئے انداز سے منظر عام پر آئی۔

4- پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ پہلا شعر مطلع اور آخری شعر مقطع کہلاتا ہے۔ جُداگانہ حیثیت رکھنے کے باوجود اس کا ہر شعر معنوں کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے۔

5- اشاروں میں کام لیتے ہوئے صنعت نگاری کا سہارا لیا گیا کیوں کہ اس صنف میں براہِ راست گفتگو سے گُریز کیا جاتا ہے۔

6- آج ہر موضوع پر غزل لکھی جارہی ہے۔

7- ترقی پسند تحریک نے۔

8- مختصر ترین الفاظ میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ کم وبیش ہر شاعر اس پر طبع آزمائی کررہا ہے۔

4.8 فرہنگ

ساخت : بناوٹ، گھڑت، ترکیب، وضع، مکرِ حیلہ، فریب

افادیت : اہمیت، یافت

فرہنگ : دانائی، دانش، سمجھ، لغت کی کتاب، ڈکشنری

ادوار : دور کی جمع، گردش، چکّر، زمانے، عرصے، مدّتیں

صلابت : سختی، مضبوطی، استحکام

کلاسیکی : اعلیٰ درجے کا مستند۔ مسلم الثبوت، ٹکسالی، ادبیات اعلیٰ، قدیم ادبیات

ہم آہنگ	:	ساتھی، متفق الرائے، سُر یا راگ میں شریک
نوعیت	:	قسم، خصوصیت
تمہید	:	کسی مضمون کا عنوان، دیباچہ، مقصد، خطبۂ کتاب
پیکر	:	چہرہ، شکل، صورت
آسودہ	:	آرام کرنے والا، مطمئن، خوشحال، دولت مند، مدفون، مرحوم
ثروت مند	:	دولت مند، بارسُوخ، با اختیار
تحلیل	:	گھل جانا، ہضم ہونا، مل جانا
طبع آزمائی	:	طبیعت کی آزمائش، ذہانت کا امتحان
ہجر	:	جدائی، مفارقت، علیحدگی
تجاہل	:	انجان بننا، چشم پوشی، بے پروائی
تغافل	:	جان بوجھ کر غفلت برتنا، کم توجہی
مسلمہ	:	مانی ہوئی باتیں، تسلیم شدہ امور
تشبیب	:	قصیدے کے ابتداء میں عاشقانہ مضامین نظم کرنا، شباب
مختص	:	مخصوص کیا گیا، خاص کیا گیا
وزن	:	علم وعروض میں شعر کی بحر، پیمانہ
بحر	:	شعر کا وزن، شعر کی پیمائش کا طریقہ
مطلع	:	غزل کے شروع کا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیے ہوں
مقطع	:	غزل کا آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص آتا ہے۔
ہم قافیہ	:	قافیہ کے ساتھ، ایک جیسے
ہم ردیف	:	ردیف کے ساتھ، ایک جیسے
ایجاز	:	چھوٹا کرنا، مختصر کرنا
استعجاب	:	تعجب، حیرانی
تغیرات	:	تغیر کی جمع، انقلاب، بدلنا، تبدیل حالات
محور	:	خاص نشان، نکتہ، وہ دُھرا جس پر پہیہ گردش کرتا ہے
قوتِ متخلیہ	:	خیال پیدا کرنے کی قوت، سوچنے سمجھنے کی طاقت
نکات	:	نکتہ کی جمع، باریکیاں، وہ بلیغ کلام جو ہر ایک کی سمجھ میں نہ آسکے۔
سکون	:	ٹھہراؤ، قرار
سماع	:	سُننا، راگ یا گانا سُننا، ناچ گانا، وجد کی کیفیت

اک طرفہ	:	ایک عجیب وغریب، انوکھا تماشا، عمدہ
طور طریق	:	رنگ ڈھنگ، رویّہ، برتاؤ
اُفق	:	آسمان کا کنارا
مُتمنّی	:	تمنا کرنے والا، آرزو رکھنے والا، خواہش مند
کلیدی کردار	:	اصل کردار، چابی یا کنجی کی حیثیت رکھنے والا
مطمحِ نظر	:	مرکزِ نگاہ، اصل مقصد
نکتہ چینی	:	عیب گیری، بُرائی نکالنا، مین میخ نکالنا
تصنع	:	بناوٹ، ساخت، دِکھلاوا، تکلّف
رعنائی	:	خودآرائی، وضع داری، خوش خرامی
دلآویز	:	دِل کو لُبھانے والا، پُرکشش
امکانات	:	امکان کی جمع، مقدرات، اختیارات، ممکن ہونا
رُجحانات	:	رُجحان کی جمع، میلانات، توجہات
واردات قلبیہ	:	دل کے وہ حالات جو انسان کو تلملا دیں، دل ٹوٹنا
ارفع	:	نہایت بلند، عالی مرتبہ
اُمور	:	امر کی جمع، بہت سے کام
حوالۂ قلم	:	قلم کے حوالے کرنا، تحریر کرنا
روسیاہ	:	شرمندہ، گنہگار، کالا مُنہ
کلیدی	:	چابی، کنجی، اصل
توسط	:	اعتدال، درمیان، ذریعہ، وسیلہ
متنوع	:	قسم قسم کے، طرح طرح کے، رنگا رنگ
عکّاسی	:	تصویر کشی، عکس لینا
وساطت	:	وسیلہ، ذریعہ، واسطہ
برسرِ پیکار	:	ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا، لڑائی پر آمادہ ہونا
تفکر	:	فکر، اندیشہ، سوچ بچار
میلان	:	توجہ، رُجحان، خواہش، التفات
گوناگُوں	:	طرح طرح کا، رنگ برنگی
رمزیت	:	اشاروں میں دلچسپ باتیں، غمزہ سے بھری ہوئی
ایمائیت	:	کنایوں سے بھری ہوئی، شاعرانہ انداز میں

وجدان	:	جاننا، دریافت کرنا، ذکاوت
موثر	:	تاثیر کرنے والا، کارگر
ترسیل	:	بھیجنا، روانہ کرنا
مافی الضمیر	:	دل کی بات، نیت، مقصد
موسوم	:	نام رکھا گیا، مخاطب
تشبیہ	:	مشابہت دینا، ایک چیز کو دوسری چیز سے متعلق بتانا
غنائیت	:	نغمے کی کیفیت، موسیقیت
رمز وایما	:	اشارے، کنایے، پہلودار بات، نوک جھونک
غمزہ	:	آنکھ کا اشارہ، ناز، نخرہ
ایہام	:	شک یا وہم میں ڈالنا

4.9 کتب برائے مطالعہ

۱-	اردو شاعری: تنقید و تجزیہ	پروفیسر صغیر افراہیم
۲-	ہم عصر اردو غزل: سمت و رفتار	پروفیسر سید محمد ہاشم
۳-	اردو غزل کی ثقافتی اساس	ڈاکٹر شبینہ پروین
۴-	آزادی کے بعد اردو غزل	ڈاکٹر وسیم بیگم
۵-	غزل کی سرگذشت	ڈاکٹر اختر انصاری
۶-	اردو غزل میں پیکر تراشی	پروفیسر شہپر رسول
۷-	مقدمہ شعر و شاعری	الطاف حسین حالؔی